إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے
نبی اکرمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔
اے ایمان والو!
تم بھی آپؐ پر (ہمیشہ) درود اور سلام
بھیجتے رہا کرو۔۔۔۔۔۔۔(القرآن)

ماہنامہ
مومن
لاہور

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ

ماہنامہ مومن لاہور

جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 5 مئی 2002ء

صدر نشین غلام رسول شاہد

نگران و منتظم محترمہ اُمّ کلثوم خان

مدیر مزین رسول ہاشمی

قانونی مشیر خلیل احمد ایڈووکیٹ

زیرِ سرپرستی

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

G-92 ماڈل ٹاؤن لاہور

ہر زمانے میں بے شمار انسان ایسے گزرے ہیں جنہوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے حوالے سے تاریخ کے اوراق پر انمٹ نقوش ثبت کیے۔ ان لوگوں میں شاعر، ادیب، شہنشاہ، جرنیل، فلسفی، قانون دان، علماء و حکماء سبھی شامل ہیں۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں میں وہی نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہوئیں جنہوں نے انسانیت کی خدمت محبت و اخلاص سے کی، انسانیت کی سب سے بڑی خدمت بھولے بھٹکے انسانوں کو اس خالق و مالک کی راہ پر گامزن کرنا ہے جو ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد، بے مثل، پوری کائنات کا رب اور الٰہِ واحد ہے۔ صدق و صفا کے پیکران برگزیدہ بندوں کا مشن نوعِ انسان کو ایک ایسا نظامِ حیات دینا تھا جس پر چل کر پوری نوعِ انسانی امن و سلامتی اور راحت و سکون زندگی بسر کر سکے اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے استفادہ کر کے برابر ترقی کرتی رہے۔ دینِ اسلام انہی قواعد و ضوابط کی تشکیل و تکمیل کا نام اور سب سے افضل کام ہے جس کا سہرا جنابِ رسالت مآب حضور سرورِ کونین ﷺ کے سر سجا! آپ ﷺ نے انسان کو نہ صرف صاف ستھری زندگی بسر کرنے کے قاعدے سکھائے بلکہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل فرمائی۔ اللہ کے بندوں کو اس کے پیغام اور نشانیوں سے آگہی اور ان کے قلوب کو اُسی کی یاد سے روشنی اور اطمینان کے حصول کا راستہ بتا دیا۔ کتاب اللہ پر نہ صرف عمل کر دکھایا بلکہ معرفت و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کے ذریعے ایک ایسی جماعت معرضِ وجود میں لائے کہ جس کا ہر فرد پوری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا روشن ستارہ ہے۔ کشف و کرامات اور معجزات تو تمام انبیاء و رسل کی بزرگی میں شامل تھے ہی مگر خدمتِ انسانیت اور اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار کی معراج محبت و نبوت میں جو کمال آپ ﷺ کو نصیب ہوا۔ وہ صرف آپ ﷺ ہی کا مقدر تھا۔ آپ نے اپنی محبت اور توجہ سے گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسانوں کو پاک اور مطہر موحد و مومن بنایا اور تمام قوتوں کے ہوتے ہوئے بھی تسلیم و رضا اور فقر کی راہ اختیار فرمائی۔ .... یہی کمالِ بزرگی اور معراجِ انسانیت ہے۔

صدر نشین

حُسنِ انتخاب (اِس شمارے میں)

عنوان	مصنف	صفحہ
اداریہ	تسلیمات	2
انک لعلیٰ خلق عظیم	غلام رسول شاہد	4
یہ سب تمہارا کرم	محترمہ ام کلثوم خاں	9
حیاتِ طیبہ ماہ و سال	سید قاسم محمود	12
قرآن اور صاحبِ قرآن	ڈاکٹر عبدالرؤف	16
آنحضورؐ کی فقر پسندی	پروفیسر ارشد کیانی	22
رسولِ عربی	پروفیسر الجاد انصاری	24
درود و سلام کی اہمیت	غلام رسول شاہد	27
کسبِ کمال کی اہمیت	محمد حامد کلیم	29
آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ	صاحبزادہ خورشید احمد	31
سرورِ دو عالم اور روحانی تربیت	حاجی فضل احمد	33
نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ	پروفیسر محمد اقبال جاوید	37
سیرتِ رسول	مولانا سید زوار حسین	40
معراجِ انسانیت	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی	46
عشقِ سید و سردارِ آدم	محمود اقبال	49
مصائب و آلام میں اسوۂ	فلائنگ لیفٹننٹ ثناء اللہ	52
آنحضرت کی تعلیمات	جسٹس مفتی محمد تقی	55
رحمتِ عالم بحیثیت سربراہِ ملت	حکیم محمد سعید	57
ختمِ نبوت	وائس مارشل سکندر بخت	60

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آئندہ شمارہ میں انشاءاللہ

مقصدِ قرآن ☆ ایک نئے تعلیمی ماڈل کی ضرورت ☆ مذہب کی اہمیت ☆ طہارت و وضو ☆ معاشرہ تباہی کی راہ پر ☆ میں نے اسلام کیسے قبول کیا؟ علاوہ ازیں سیرت النبیؐ، اخلاقیات، ایمانیات، تصوف، نفسیات، طب و صحت اور حالاتِ حاضرہ جیسے مستقل عنوانات پر تحقیقی مضامین!

ماہنامہ مومن کے صفحات اخلاقِ عالیہ کے فروغ کے لیے وقف ہیں! ادارہ ھذا کا مصنفین کی رائے سے اتفاق کسی طور ضروری نہیں!

پرنٹر و پبلشر: غلام رسول شاہد پہچان پبلی کیشنز B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور

بدل اشتراک

	فی شمارہ	سالانہ
پاکستان	20 روپے	200 روپے
سعودی عرب / امارات	10 ریال	100 ریال
کویت	1 دینار	10 دینار
امریکہ	4 ڈالر	40 ڈالر
برطانیہ	2 پاؤنڈ	20 پاؤنڈ

اظہارِ تشکر ہمزوار اکیڈمی، ماہنامہ اشراق اور مصنفین کے خصوصی تعاون پر دل و جان سے شکرگزار ہیں۔

خط و کتابت: پوسٹ بکس نمبر 5050 لاہور پاکستان

اشتہارات و ترسیلِ زر: B-12 سٹی ٹاور 12 ایبٹ روڈ رائل پارک لاہور پاکستان

فون: 6373219-9242+ فیکس: 5881290-9242+

ورلڈ کی ای میل ایڈریس:۔

email:rasul92@hotmail.com

email[redacted]l.com

www.momin.biz

Scanned with CamScanner

تسلیمات

عالمِ اسلام کے لیے نکتۂ وحدت

مومن کا یہ شمارہ ربیع الاوّل کی مناسبت سے سرورِ کائنات، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں بطور ہدیہ عقیدت پیش کیا جارہا ہے۔ ماہِ جاں، ماہِ جہاں ربیع الاوّل اِس مرتبہ ایسے عالم میں وارد ہُوا ہے کہ پورا عالمِ اسلام آفات و مصائب میں گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ فلسطین، کشمیر، افغانستان، چیچنیا میں چڑھتی جوانیوں کے خون کے دریا بہائے جارہے ہیں۔ ایران، عراق اور پاکستان ہمہ وقت مغرب کی دھمکیوں کی دھار پر رہتے ہیں۔ عالمِ اسلام کی واحد ایٹمی طاقت کو ریزہ ریزہ کرنے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ بھارت کے صوبہ گجرات میں جب وہاں کے مسلمانوں نے بابری مسجد کی جگہ مندر بنانے کی تحریک کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو انتہا پسند ہندوؤں نے ان کے محلے کے محلے نیست و نابود کر دیئے۔ انہیں زندہ جلایا گیا۔ مسلم خواتین کو بے عزت کیا گیا، اور تادمِ تحریر ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جا چکا ہے۔

لیکن نہ تو مایوس ہونے کی ضرورت ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور رحمت و برکت سے ناامید ہونے کی بات۔ آج سے پہلے بھی عالمِ اسلام پر اس سے بھی کڑے وقت آتے رہے ہیں۔ ہر کڑے امتحان میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی نے اپنے حبیب صادق ﷺ کی امت کی کمزوریوں، خامیوں اور مجبوریوں کے باوجود اسے اپنی پناہ میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مایوس ہونے کو منع کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ''(اے نبی ﷺ) مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے اور پھر تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے، تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ (سورۃ الزمر:54,53)

توبہ اور معافی کا دروازہ کھلنے کی اتنی واضح نوید اور اتنی بڑی خوشخبری کے ساتھ ساتھ اس کے تقاضوں کی تفصیل بھی میسر ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ کا ''خطبہ حجۃ الوداع'' قیامت تک انسانیت کے تمام دکھوں کا علاج اور تمام پریشانیوں کا مداوا ہے۔ رشد و ہدایت کا یہ آبِ حیات ہمارے ذاتی و اجتماعی، تمام مسائل و مشکلات، خامیوں، کوتاہیوں اور جسمانی و ذہنی و معاشرتی بیماریوں کا علاج ہے۔ مسلمان روئے زمین کے جس حصے میں بھی ہیں، جس بحران اور امتحان میں مبتلا ہیں، وہ اگر ''خطبہ حجۃ الوداع'' ہی کو حرزِ جاں بنائے رکھیں، اور اس عظیم الشان ''منشورِ انسانی'' کے ایک ایک لفظ کو حفظ کر لیں تو اُن میں مشکلات و مسائل پر قابو پانے کی ایک طلسمی طاقت پیدا ہو جائے گی۔

رسول کریم ﷺ نے دنیا کے تمام مسلمانوں بلکہ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔ لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سُرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔۔۔ اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام! جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔ جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامِ خون) باطل کر دیئے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا خون باطل کر دیتا ہوں، جاہلیت کے تمام سُود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سُود (عباسؓ بن عبدالمطلب کا سُود) باطل کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر، اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پُرس کرے گا۔ ہاں! مجرم اپنے جُرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں، باپ کے جُرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جُرم کا جواب دہ باپ نہیں...... اگر کوئی حبشی بُنی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرماں برداری کرو...... میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز ہے کتاب اللہ...... جو لوگ اس وقت موجود ہیں، وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔''

آخری جُملہ واضح طور پر بتائے دے رہا ہوں کہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے ادا شدہ یہ ''بین الاقوامی منشور'' قیامت تک، سینہ بہ سینہ اور تحریر بہ تحریر ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا رہے گا۔ ہمیں رسولِ کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ منشور سننے کا شرف تو حاصل نہیں، لیکن یہ کیا کم ہے کہ ہم اُن کے حضور ''مومن'' کا یہ شمارہ خوشبو دار پھولوں کے گلدستے کی طرح بطور ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے، آپ ﷺ کا پیغام نسل در نسل پھیلانے کی تحریک میں بقدرِ ہمت شریک ہیں۔ ہزاروں درود و صلوٰۃ ہوں آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر۔

خاکپائے رسول ﷺ

غلام رسول شاہد

ربیع الاوّل

ربیع الاوّل اسلامی کیلنڈر کا تیسرا مہینہ ہے۔ اس کے لغوی معنی ''پہلی بہار'' کے ہیں۔ گلشن کائنات میں اصل فصل بہار حضور ﷺ سرور کائنات ہی کے دم قدم سے آئی۔ آپ ﷺ اس ماہ مبارک کے نویں روز اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے جو تاریخ عالم کا اہم ترین واقعہ ہے۔ کائنات پر اللہ رب العزت کی یہ رحمت و احسان ۱ عام الفیل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر صبح صادق کے وقت ہوا۔

آفتاب رسالت کا طلوع اور بشارت وحی بھی ۹ ربیع الاوّل ۴۱ عام الفیل بمطابق ۹ فروری ۶۱۰ کو ہوئی۔ آپؐ نے مدینہ المنورہ میں مسجد قبا کی بنیاد اسی ماہ کی آٹھ تاریخ ۱ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ کو اپنے دست مبارک سے رکھی۔ مسجد نبوی شریف کی تاسیس مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے گیارہ روز بعد اس ماہ عظیم کی ۱۹ تاریخ یعنی اکتوبر ۶۲۲ میں ہوئی اور اذان کی باقاعدہ ابتدا بھی اس روز سے ہو گئی۔ حضور سرور کائنات نے اس ماہ بابرکت میں داعی اجل کو لبیک کہا اور یوں حضرت صدیق اکبرؓ اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مسند خلافت رسولؐ پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سلمانؓ فارسی، حضرت امام حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سمیت کئی ایک مکرم صحابہ اور بہت سی بزرگ ہستیاں اسی ماہ مبارک میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

تاہم اس ماہ بہاراں کی سب سے بڑی شان بہارِ دوجہاں، سرورِ کونین، تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد مبارک ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور آپ ﷺ کی آمد مبارک کے حوالے سے سجدۂ شکر ادا کریں۔ اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی کے لئے خوب صدقہ خیرات دیں اور غریب بہن بھائیوں کو عید میلاد کی خوشیوں میں شامل کریں۔

تلاوت کلام پاک کثرت سے کریں اور اس کا ایصال ثواب حضور سرور کائنات ﷺ، آپ ﷺ کے اہل ایمان آباؤ اجداد، آپ ﷺ کے اہل بیت، ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے صحابہ کبار، شہداء اسلام اور آپ ﷺ کا اتباع کرنے والے اولیائے اکرام، صوفیائے عظام، صدیقین، صالحین اور مبلغین اسلام کی ارواح مقدسہ کو پہنچائیں۔

توبہ استغفار کثرت سے پڑھیں کہ دعائے مغفرت اللہ کی رحمتوں کے حصول کی کنجی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ پر کثرت سے درود شریف بھیجیں۔ سلام بھیجنے والوں پر ہی سلامتی لوٹائی جاتی ہے۔ سورۂ کوثر تواتر سے پڑھیں۔ تہجد اور قیام اللیل کے نوافل ادا کریں اور حضور اقدس ﷺ کی روح مبارکہ کو ایصال ثواب پہنچائیں درود شریف میں سب سے اچھا اور جامع درود شریف درود ابراہیمی یعنی نماز میں پڑھا جانے والا درود شریف ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾
اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ
اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۥ غَيْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم

غلام رسول شاہد (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

جس طرح پھول اور پھل اپنے درخت کی پہچان ہوتے ہیں اسی طرح انسان کے اخلاق، اُسکے ایمان اور کردار کے گواہ ہوتے ہیں انسان چونکہ تعقل پسند حیوان ہے اور اپنے خصائل واعمال کی بنیاد عقل پر رکھنا چاہتا ہے اسلیئے بیشتر دانشوروں بالخصوص مغربی فلسفیوں کی طرح کفار مکہ نے بھی اخلاق کو باطنی طینت اور تطہیر نفس کی بجائے فلسفے اور عقل وعلمیت کا حصہ سمجھا۔ یوں مبالغہ آرائی، جھوٹی مسکراہٹ، ہوشیاری، چالاکی، خوشامد، چاپلوسی اور زبانی جمع تفریق سے دوسروں کا دل جیتنے اور انہیں اپنے مطلب پر قائل کرنے کو بہتر اخلاق سمجھتے رہے شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰؐ کے اخلاق عالیہ، اُن کی شرافت وصداقت اور رب کریم کی اطاعت اور عبادت کو جنون سمجھا جس کے جواب میں اللہ ربُّ العزت نے سورۃ القلم میں اعلیٰ اخلاق کا معیار ہی حضور اقدسؐ کی ذات گرامی کو قرار دے دیا اور فرمایا: ''بیشک حضور سرورِ کائناتؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔'' اور آپؐ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ اخلاق حسنہ کی اعلیٰ مثال ہے۔

اخلاق کے حوالے سے یہودی فلاسفر سپائی نوزا نے انسان کو نفس پرست قرار دیتے ہوئے فلسفۂ اخلاق کو انسانی خواہشات اور تحفظِ ذات تک محدود رکھا۔ یوں اُسکا فلسفۂ اخلاق صرف ایک سوال کے گرد گھومتا ہے کہ انسان تحفظِ ذات اور انانیت پسندی کے حوالے سے کمال تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ سپائی نوزا کے نزدیک ایثار وقربانی کے جذبے لغو اور بے معنی ہیں جو انسان صرف اپنی ذاتی تشفی کیلئے استعمال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سپائی نوزا کے پیروکار بالخصوص یہود وہنود کی تمام زندگی خودغرضی اور خودساختہ انانیت کے گرد گھومتی ہے۔

برطانوی فلاسفر جوزف بٹلر جو ایک پادری تھا۔ عقل کو اخلاق کا مرکز قرار دیتا ہے۔ اُسکے نزدیک انسانی ذہن ایک گھڑی کی مانند ہے جس میں مختلف جبلتیں اور اصول ہیں مگر وہ سب مختلف ومتضاد ہونے کے باوجود آپس میں مربوط ہیں۔ بٹلر کے نزدیک کوئی بھی خواہش بذاتِ خود بُری نہیں ہوتی۔ البتہ اُسکا حد سے تجاوز کرنا برائی ہے۔ اُسکے نزدیک ہر وہ فعل جو فطرت کے مطابق ہو وہ نیکی ہے اور ہر وہ کام جو فطرت کے خلاف ہو وہ برائی ہے۔ دوسری طرف ڈیوڈ ہیوم کے نزدیک اخلاقیات کا مرکز لذت اور خوشی ہے لیکن ڈیوڈ خود ساری عمر تشکیکی رویہ کا حامل رہا اور اپنا قطعی نقطۂ نظر مرتے دم تک ثابت نہ کر سکا۔ نہ ہی وہ یہ سمجھا سکا کہ لذت اور خوشی سے مراد اپنی ذات کی خوشی ہے، اپنے کسی چاہنے والے کی یا معاشرے کی؟۔ نتیجتاً آج یورپ کی بیشتر آبادی اخلاقیات کے حوالے سے تشکیک وتذبذب کا شکار ہے بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ اندرونی طور پر یورپ کا اخلاقی دیوالیہ نکل چکا ہے۔

جرمن فلاسفر کانٹ فرضیت کے احساس اور عقل کو اخلاق کی بنیاد قرار دیتا ہے اور احساسات کو اخلاقی دنیا سے الگ سمجھتے ہوئے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ جبکہ اسلام اپنا مکمل، مستقل بالذات اخلاقی نظام رکھتا ہے۔

انسان کے اندر فطری حس بعض صفات کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتی ہے البتہ دنیا کے تمام معاشرے جس شے پر متفق نظر آتے ہیں وہ حُسن اخلاق ہے۔

ہر تہذیب وتمدن میں سچائی، عدل وانصاف، عہد کی پاسداری امانت ودیانت، صبر وتحمل، عفو ودرگزر، استقلال وبردباری، شجاعت وبہادری، فرض شناسی، وفا شعاری کو ہمیشہ تعریف کا مستحق سمجھا گیا۔ اور جھوٹ، ظلم، قتل وغارت، چوری چکاری، جھوٹ وفریب، مکاری اور عیاری، بدعہدی، بے حیائی، بدنظمی، خودغرضی، سنگدلی، بخل اور تنگ نظری، بے صبری، چھچھورے پن، بزدلی، کم ظرفی، بدتمیزی، کام چوری اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کو کبھی اچھی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ اخلاق وہ عالمگیر حقیقت ہے جسے قرآن حکیم میں نیک اعمال، ''عمل الصالحات'' کہا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''نیکی صرف یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کیطرف منہ کرلو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لایا جائے اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر۔ اور مال دیا جائے اللہ کی محبت میں اور حق ادا کیئے جائیں اپنے والدین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں۔ راہ گزینوں اور سائلوں کے اور گردنیں چھوڑانے میں

اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور اپنا قول پورا کریں جب عہد کریں، اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت۔ وہی تو ہیں جو صادق ہیں اور متقی۔'' (البقرہ)

یوں قرآن کی رو سے اخلاق حسنہ کی بنیادی تعریف ایمان اور نیک اعمال یعنی حقوق کی خوشی کیساتھ ادائیگی ہے۔ ہر انسان صبح و شام جو اعمال کرتا ہے ان کا تعلق یا صرف اپنی ذات سے ہوتا ہے یا اللہ تبارک وتعالیٰ سے یا مخلوق خدا سے انسان کے وہ افعال جن کا تعلق اُسکی اپنی ذات سے ہو حقوق ذاتی یا حقوق نفسی کہلاتے ہیں وہ افعال جن میں ان کا واسطہ اللہ رب العزت سے ہو وہ حقوق اللہ اور وہ افعال جن کا تعلق معاشرے کے دیگر افراد سے ہو وہ معاملات یا حقوق العباد کہلاتے ہیں۔'' ان حقوق یعنی حقوق نفسی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو انسان جس طریقے اور نہج سے ادا کرتا ہے اسکا نام اخلاق ہے۔'' مثلاً اگر کوئی شخص ان حقوق کی ادائیگی نرمی، خوش اسلوبی اور خوشی سے ادا کردے تو وہ خوش خلق کہلائے گا اور اگر کوئی شخص یہ حقوق سختی، درشتی، تنگ نظری، بدسلوکی، کراہت سے ادا کرے یا برے سے ادا ہی نہ کرے تو وہ بداخلاق اور ظالم ہوگا۔ ہر انسان، خاندان، قوم اور قبیلے کا ان حقوق سہ گانہ کو ادا کرنے کیلئے کوئی طریقہ یا دستور ہوتا ہے۔ یہ دستور جس قدر جامع اور قوم کے ذہنی، جسمانی، قلبی و روحانی مقتضیات کے مطابق اور نقائص سے پاک ہو وہ قوم اتنی ہی طاقت ور اور خوشحالی ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اُس قوم کے تمام افراد اس دستور کو خوش دلی سے اپنائیں اور اسی کے مطابق زندگی گزاریں۔ جیسا کہ ہم مسلمانوں کا اصل دستورِ زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ الہامی کتاب قرآن مجید ہے جو مکمل ترین اور بے نقص دستور ہے۔

ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں اور نماز میں

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوتُ وَ الطَّیِّبٰتُ

پڑھنے والوں کو اس بات کا یقین محکم ہونا چاہئے کہ اللہ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا وہی ہم سب کا رب، مالک اور الٰہ ہے۔ زندگی و موت سب خدا کے ہاتھ میں ہے اس لیے اللہ کی محبت، اطاعت، شکر اور خوف ورجا کو اپنے دل میں بسایا جائے۔ یعنی ان تمام احکام پر کما حقہٗ عمل کیا جائے جو حقوق اللہ، حقوقِ نفسی اور حقوق العباد کے حوالے سے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

قرآن حکیم ہر زمانے کے ہر انسان کیلئے مکمل ضابطۂ اخلاق ہے جس کی بنیاد عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت پر یقین ہے۔ عبادات، معاملات اور حسن معاشرت سب کا محور و مرکز عقیدہ توحید ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت و بندگی ہے۔ نماز برائیوں سے روکتی اور سلامتی کا خزینہ ہے تو زکوٰۃ فلاح و بہبود کی کنجی، روزہ طہارت و تقویٰ اور تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہے تو حج بیت اللہ شریف روحانی بالیدگی کا ضامن! قانون حلال و حرام، انسان کی حفاظت اور امن و سلامتی کیلئے عطا ہوئے اور حسنِ معاشرت تو نام ہی ایک پرامن اور خوشحال معاشرے کا ہے۔ حقوق نفسی کے حوالے سے حکم الٰہی ہے کہ

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ

'' کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

یعنی اس کی حفاظت کرو نفس کی تربیت تو لازم ہے مگر ہلاکت درکار نہیں! سچائی، صبر و شکر، عفو و درگزر، ایثار و قربانی، حسن سلوک، عدل و احسان، امانت و دیانت، ایفائے عہد اور دعوت الی اللہ یعنی اپنی اصلاح کیساتھ اپنے عزیز و اقارب اور معاشرے کی فلاح و اصلاح، اخلاقیات کے اصل ستون ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

''لوگوں کو دانش و نصیحت یعنی حکمت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔'' (سورۃ النحل۔ 125)

رشتہ داروں محتاجوں اور مسافروں کو انکا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا کفران کرنے والا ناشکرا ہے اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت کے انتظار میں، جس کی تمھیں امید ہو اُن کی طرف یعنی مستحقین کی طرف توجہ نہ کرسکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا کرلو اور نہ بالکل کھول دو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔'' (بنی اسرائیل 26 تا 29)

'' اور جب کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھی ہے اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اسکے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے باز پرس ہوگی اور زمین پر اکڑ کر نہ چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑ تک پہنچ جائے گا ان سب کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہے'' (بنی اسرائیل ۳۵ تا ۳۸)

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ. اِنَّ الشَّیْطٰنَ

کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا○

ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان ان میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'' (بنی اسرائیل ۵۳)

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ ط

ترجمہ: اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔ (المومنون ۹۶)

'' اور وہ لوگ جو تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ کر جانے والوں کو کچھ

خرچ نہیں دیں گے ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔(النور:۲۲)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًاO

ترجمہ: اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے گفتگو کرتے یعنی الجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو سلام کہتے یعنی کنارہ کش ہو جاتے ہیں (الفرقان:۶۳)

''اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال۔ تمکو سلام ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔(القصص:۵۵)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَO

ترجمہ:''اور اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔''(حم سجدہ:۳۳)

''مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور نفرت کرو گے۔ خدا کا ڈر رکھو بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''(الحجرات:۱۱-۱۲)

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ط

ترجمہ:''جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔''(النجم:۳۲)

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: اور اگر معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔(التغابن:۱۴)

حضور نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کردو اور ان کیلئے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کرو اور عزم مصمم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو بے شک اللہ بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔(آل عمران:۱۵۹)

پھر لوگوں سے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ:''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں''(توبہ:۱۲۸)

سورۃ انبیاء میں ارشاد ہے کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَO

ترجمہ:''اے محمدؐ! ہم نے تم کو جہان (عالمین) کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔''

بلاشبہ حضور خاتم النبیین رحمت للعلمین اور رؤف الرحیم ہیں، مہربان اور نرم رو اور مجسم اخلاق حسنہ!!

آنحضرتؐ کی رحمت و شفقت کے ایک یا دو نہیں سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ سورۃ بقرہ میں اس واقعہ کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جب غزوہ تبوک کے مجاہدین کیلئے حضورؐ کی جانب سے سامان جہاد کی فراہمی کی اپیل کی گئی جس سے جو بن پڑا اس نے کیا لیکن منافقین کا رویہ عدم تعاون ہی کا تھا بلکہ اگر کوئی مال لیکر حاضر ہوتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے۔ مگر حضور سرکار دو عالم کے دہن مبارک سے کسی کے لئے بد دعا نہ نکلی اور وہ صحابی جس کے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے پر اللہ ناراض ہوا آپؐ نے ان کی قبولیت کے لئے چالیس روز تک اللہ سے گڑ گڑا کر دعا مانگی جس پر اللہ رب العزت نے آپؐ کا مومنین پر رؤف رحیم ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؐ کی ذات گرامی عورتوں مردوں، بوڑھوں بچوں حتیٰ کہ کفار کے لئے بھی رحمت تھی آپؐ تبلیغ دین کے لئے طائف تشریف لے گئے تو طائف کے سرداروں نے آپؐ کی شان میں بے حد درجہ گستاخیاں کیں۔ بستی کے غنڈے آپؐ کے پیچھے پڑ گئے اور آپؐ پر پتھروں کی بارش کر دی نتیجتہ آپ لہولہان ہو گئے۔ مگر اہل طائف کے لئے بد دعا نہ کی!

ہجرت سے قبل جو مظالم آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام پر اہل مکہ نے ڈھائے ان کو دہرانے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے سب دشمنوں کو محض اللہ کی رضا و خوشنودی اور دین کی سربلندی اور فروغ کی خاطر معاف کر دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (سورۃ الاعراف:۱۹۹)

ترجمہ: پکڑ درگزر کو اور حکم کر ساتھ بہتر کے اور منہ پھیر لے جاہلوں سے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ (سورۃ احزاب:۲۱)

ترجمہ: ”تمھارے لئے نبی کریم کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے پس جسے اللہ سے ملاقات اور قیامت پر ایمان ہے تو چاہئے اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور سرور کائنات کی زندگی کو اہل ایمان کے لئے ایک بہترین نمونہ قرار دیا اور یہ بات بھی باور فرمادی کہ انسان کی کامیابی وکامرانی آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے میں ہے۔ سبحان اللہ کہ کس شان سے ایک مومن کا منشور زندگی صرف ایک آیت مبارکہ میں بیان کردیا گیا مومنین کی زندگی کا اصل دستور عمل قرآن مجید ہے اور حضور سرور کائنات ﷺ چلتا پھرتا قرآن۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے کسی صحابی نے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو جواباً حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ”کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا“؟ قرآن مجید میں جس قدر اخلاقی صفات اپنانے کا حکم موجود ہے وہ سب اوصاف وفضائل آپؐ کی شخصیت اقدس میں بدرجہ اتم موجود تھے اور جن باتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منع فرمایا ان میں سے کوئی ایک بات شائبہ کی حد تک بھی آپؐ کے قریب سے نہ گزری حضور نبی کریمؐ کا ایک قول مبارک ہے:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے اخلاق اپناؤ کیا خوب صورت تفسیر ہے حکم الٰہی کی کہ اللہ کا رنگ اپناؤ

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۳۸)

ترجمہ: ”اللہ کا رنگ اپناؤ اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم ان تمام رنگوں اور صفات کا اقرار کرتے ہوئے اسی کے عبادت گزار بندے ہیں“

عفو ودرگزر، بخشش ونجات، پرورش وتربیت نرم مزاجی، اچھی اور کھری بات، عدل واحسان رحمت وشفقت! اخلاق عالیہ نہیں تو کیا ہے؟ ۔ چنانچہ اللہ حکم دیتا ہے عدل واحسان کا قرابت داروں کی دیکھ بھال کا اور منع کرتا ہے بے حیائی ۔ منکرات اور ظلم سے پس تعلیم اخلاق، اسلام کی تعریف بھی ہے اور بعثت مبارکہ کا مقصد اولیٰ بھی، چنانچہ اللہ رب العلمین نے آپ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد بیان فرماتے ہوئے سب سے بڑھ کر زور ہی تزکیہ نفس یعنی مکارم اخلاق پر دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرۃ:۱۳۸)

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ (البقرۃ:۱۵۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ کے لئے آپ ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو کلام پاک کی آیات تلاوت فرماتا، آپکا تزکیہ فرماتا، آپکو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا اور وہ کچھ سکھاتا ہے جو آپ نہیں جانتے پس ہمارا یعنی اللہ کا ذکر کرو اللہ تمہیں یاد رکھے گا اور اللہ کا شکر بجالاؤ اور کفر مت کرو۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ

”اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب یعنی قانون اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوجائیں۔“

تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے!

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ بعثت مبارکہ کے بعد تبلیغ کے ابتدائی مراحل ہی میں حضور نبی کریمؐ نے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

اگر تم وہ قبول کرلو جسے میں پیش کررہا ہوں تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔

آپ کا پیغام اور منشور ہمہ گیر، عالمگیر اور جامعیت سے بھرپور ضابطہ اخلاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کا بنیادی مقصد ہی تزکیہ اخلاق ہے۔ تلاوت کلام پاک، کتاب وحکمت کی تعلیم، ذکر الٰہی اور اللہ کا شکر بجالانا اخلاق حسنہ نہیں تو اور کیا ہے؟ چنانچہ حضورؐ کی سیرت مبارکہ اخلاق حسنہ ہی کا دوسرا نام ہے اگر یوں کہا جائے کہ تمام آسمانی مذاہب اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے مبعوث کردہ سبھی پیغمبر اخلاق عالیہ کے فروغ کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے تو مبالغہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کو الٰہ واحد ماننا اور اسکی عبادت کرنا عین اخلاق حسنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو رب الناس، ملک الناس اور الٰہ الناس مانتے ہوئے، اپنی زندگی وبندگی اسی کے نام کردینا ہی اخلاق عالیہ ہے انسان وہی ہے جو اپنے محسن اور منعم حقیقی کو پہچان لے، اسکی قدر کرے اور اس کا شکر بجالائے چونکہ اخلاق کا معنی ہی کسی کا حق خوشی خوشی ادا کرنا ہے لہذا جب حق کی ادائیگی کی بات آتی ہے تو انسان پر سب سے پہلا حق اُسی رب العلمین کی عبادت وبندگی ہے۔

حضور سرور کائناتؐ نے اپنی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی اچھے اخلاق کی تکمیل بتایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ ۔(مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ:

فَـاِنَّ خُلُقُ نَبِيِ اللهِ ﷺ كَانَ الْقُرآن (نبی اکرم کا خلق تو سراسر قرآن پاک ہے (مسلم شریف)

فرائض منصبی ہوں، حقوق اللہ یا حقوق العباد، کسی بھی انسان کا کوئی قول فعل یا خیال دائرہ اخلاق سے باہر نہیں ہوتا کہ اخلاق تو نام ہی انسان کے فضائل و اعمال کا ہے جو اپنے فرائض یعنی اپنے ذمے دوسروں کے حقوق خوشی اور تندہی سے کما حقہٗ ادا کرے وہ اعلیٰ اخلاق کا مالک اور جو ناک بھوں چڑھائے، حقوق کی ادائیگی میں بخل، کوتاہی یا بے رخی اور غفلت برتے وہ بد اخلاق ہوتا ہے۔

اخلاق کے موضوع اور اس کی تعریف پر دنیا بھر کے دانشوروں اور فلسفہ دانوں نے نہ جانے کیا کچھ لکھ ڈالا مگر تربیت نفس اور مکارم اخلاق کا جو سہرا اللہ رب العزت نے آپؐ کے سر سجایا وہ کسی اور ذی روح کو نصیب ہوا نہ ہوگا۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم

اپنے پرائے دوست دشمن سب آپؐ کی اخلاقی عظمت کی گواہی دیتے ہیں ۔ نبوت کے ابتدائی دور میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی آپؐ کی خدمت حاضر ہوئے تو سب سے زیادہ متاثر وہ آپؐ کے اخلاق عالیہ ہی سے ہوئے ۔ اسلام کے اس ابتدائی دور میں جب مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے تو حبشہ کے بادشاہ ہرقل کے دربار میں حضرت جعفر طیار آپؐ کی تعلیم کی گواہی آپؐ کے سچ بولنے، خونریزی سے منع کرنے، یتیموں کا مال نہ کھانے اور پاک دامنوں پر تہمت نہ لگانے جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات سے دی۔ دوسری طرف ابوسفیان جو اس وقت دشمن اسلام تھے انہوں نے بھی اس بات کی شہادت دی کہ آپؐ توحید اور عبادت الٰہی کیساتھ پاک دامن رہنے، سچ بولنے اور قرابتداروں کا حق ادا کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں

صفا کی پہاڑی پر دی جانے والی دعوت اسلام کے موقع پر آپؐ کا قریش مکہ سے یہ سوال کہ اگر میں یہ کہوں کہ ابھی اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر آپ پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا آپ لوگ اس بات کو تسلیم کر لیں گے جوابا سبھی حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہم آپ کی بات سچ مان لیں گے کہ آپؐ صادق و امین ہیں اور آپؐ نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یہی صداقت و امانت آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کی اصل بنیاد ہے اخلاقیات عملی اور اطلاقی فلسفہ ہے جس کا مرکز انسان کا قلب اور بنیادی منبع مذہب ہے۔ اور مذہب کا خاصا یہ ہے کہ اس کے اصول ضوابط کی اساس عقول کی بجائے "اَمْرُ بِالْمَعْرُوْف اور نَهِیُ عَنِ الْمُنْکَرْ " ہے۔ یوں اعلیٰ اخلاق ایمان کی بنیاد پر کی گئی نیکی کا نام ہے اور بداخلاقی، مذہب سے بیگانگی اور شرپسندی کا نام۔

اعلیٰ اخلاق تقویٰ کی معراج ہے اور بداخلاقی فسق و فجور کی نمائندہ! من حیث الفرد ہو یا من حیث القوم، جب تک معاشرے کے افراد کا اخلاق اچھا نہ ہو ایک ایسا معاشرہ قائم ہو ہی نہیں سکتا جو راحت وسکون اور امن و سلامتی اور خوشحالی کا مظہر ہو۔

آپؐ کو اللہ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنُ نے کیا کیا فضل و کمال بخشے اسکا اندازہ صرف اس بات سے لگالیں کہ قرآن حکیم میں آپؐ کو ۱۰۲ صفاتی ناموں سے یاد فرمایا گیا اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَکَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا O

یعنی آپؐ پر اللہ جل شانہ کا فضل عظیم ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپؐ کی شان اخلاق اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم ہے۔ یعنی آپؐ کا اخلاق حمیدہ اتنا اعلیٰ ہے کہ آپؐ کو اخلاق جمیلہ کی تمام صفات خیر پر تسلط حاصل ہے آپ ﷺ رحمتہ للعلمین، آپ ﷺ شفیع المذنبین، آپ ﷺ افضل الانبیاء، سید المرسلین اور سردار السالکین ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم مسلمان جن کے لئے حضور اقدس کو اسوۃ حسنہ یعنی اخلاق حسنہ کا مکمل نمونہ بنا کر بھیجا گیا آپؐ کی اطاعت اور اتباع کے حوالے سے کہاں کھڑے ہیں ؟لہذا آپؐ کے امتی ہونے کے ناطے سے فرقہ واریت ، وعدہ خلافی ، جھوٹ، تکبر، انا پسندی، بخل، عیب جوئی اور غیبت وغیرہ کا تو ایک مسلمان مومن و مومنہ کیساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہونا چاہیئے! جس کے اخلاق عالیہ بہترین ہونگے اسے اتنا ہی قرب الٰہی اور معرفت وحکمت نصیب ہوگی اور اپنے رب کی معرفت و حکمت کے بغیر انسان کو نہ اللہ کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور نہ ہی اپنے خالق و مالک کی۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے محسن و منعم حقیقی کو پہچانتے ہوئے اسی کے فرمانبردار اور شکر گزار بندے بن جائیں اور اپنے پیارے رسول کریم سرکار دو عالم، فخر موجودات، حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اخلاق عالیہ اپنائیں جو سچائی ، ایمانداری، قوت برداشت ، تدبر و فراست ، ثابت قدمی ، جرأت و بہادری، حیا، خوف خدا، عفو و درگزر، رحمدلی، زہد وتقویٰ، سادگی، شفقت ، صلح پسندی، ضبط و صبر، طہارت و پاکیزگی، عدل و انصاف، قناعت و فیاضی، نرم مزاجی، وعدے کی پابندی، ہمدردی الغرض ہر اس خوبی سے مزین تھے جو اللہ کو پسند ہے۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

آپ ﷺ اپنے کمال کے سب بلندی پر پہنچے

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

آپ ﷺ نے اپنے جمال سے اندھیروں کو دُور کر دیا

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

آپ ﷺ نے تمام تر خصائل نہایت حسین ہیں

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ

آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود و صلوات ہو

(شیخ سعدیؒ)

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا ﷺ

محترمہ اُمِّ کلثوم خان

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْراًO (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔ ہراس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے''

اسوۂ حسنہ سے مراد نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ ہے جو آپ نے بعثت کے بعد بحیثیت رسولؐ اللہ بسر کی۔ آپکی اس زندگی کو اللہ نے اہل ایمان کے لیے اسوہ حسنہ اور بہترین زندگی کا نمونہ فرمایا ہے۔ قرآن پاک میں سورۂ ''القلم'' میں ارشاد ربانی ہے ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' ''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو'' خلق لغت میں دوحرفی مفہوم رکھتا ہے طینت باطنی اور ظاہری سیرت اصطلاح عقلاء میں خلق وہ ملکہ نفسی ہے کہ جسے وہ ملکہ حاصل ہو اس کے لیے اچھے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے اچھائی اور نیکی کو دل اور دماغ میں راسخ اور جاگزیں ہوجانے کے لیے طویل محنت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خلق ایسی ہی کیفیت راسخہ کا نام ہے جس کی بنا پر اچھے کام سہولت سے سرزد ہو سکتے ہوں۔ حدیث قدسی ہے۔ کہ اگر تمہیں اطلاع دی جائے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا ہے تو مان لو اور اگر تمہیں بتایا جائے کہ کسی مرد نے اپنی عادت چھوڑ دی ہے تو نہ مانو اگر اللہ چاہے تو اخلاق کو تبدیل فرمادے۔ دراصل انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ 1: جن کی عادت پختہ ہوچکی ہو اس کو کلی طور پر زائل کرنا مشکل ہے۔ تاہم مسلسل محنت اور ریاضت سے ان کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ 2: جن کی عادتوں کی جڑیں گہری نہ ہوں اگر وہ لوگ محنت سے کام لیں۔ صالحین کی صحبت اختیار کریں تو وہ اچھے اخلاق جو کمزور ہوں وہ قوی ہو سکتے ہیں اور برے اخلاق جو قوی ہوں وہ کم بلکہ ختم ہو سکتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ و مرسلین کا کام رشد و ہدایت تعلیم و تربیت اور تزکیہ اخلاق ہے۔ اگر اخلاق میں تبدیلی ناممکن ہوتی تو یہ مبعوث ہی کیوں ہوتے؟۔ حدیث شریف میں تعلیم امت کے لیے یہ دعا آئی ہے۔ ''اے اللہ مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت فرما کہ بہترین اخلاق کی ہدایت تیری ہی عنایت ہے۔'' اور برے اخلاق کو مجھ سے دور فرما کہ ان کا دور کرنا تیرا ہی کام ہے۔''

نتیجہ یہ نکلا کہ جو ارفع و اعلیٰ اوصاف دیگر انبیاء میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے وہ سب مجموعی طور پر اللہ کے حبیب ﷺ میں پائے گئے خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''کَانَ خُلُقُہٗ اَلْقُرْآن'' یعنی قرآن ہی آپ ﷺ کا اخلاق ہے۔

آپ نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی بلکہ خود اس کا نمونہ بن کر دکھایا۔ نبوت و رسالت کی گراں بار ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اللہ نے آپ ﷺ کو صبر، حلم، عفو و درگذر، شجاعت و استقامت، جود و سخا، عدل و انصاف، صداقت و امانت اور حسن معاشرت جیسے اوصاف حمیدہ ودیعت کر رکھے تھے۔ جو تبلیغ دین کا صحیح فریضہ ادا کرنے کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

حلم کا معنی یہ ہے کہ جب طیش دلانے والے اسباب پائے جائیں تو باوقار طریقے سے ان پر قابو پایا جائے۔

عفو و درگزر معاف کرنے کو کہتے ہیں

۔صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ مصائب و آلام میں آہ و فغاں نہ کرنا اپنے آپ کو نیک کاموں کا پابند بنانا برے کاموں سے روکے رکھنا اور اپنے اندر اعلیٰ درجے کی قوت برداشت پیدا کرنا۔ نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بن کر آئے آپ کی انتہائی آرزو یہ ہوتی کہ کفار و مشرکین ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور جہنم کے دائمی عذاب سے نجات پا کر جنت کی لازوال نعمتوں کے مستحق بن جائیں۔ لیکن جب انکار اور شدید مذمت کا مظاہرہ ہوتا تو آپ کے قلب اطہر کو شدید صدمہ پہنچتا اس کے باوجود آپؐ سلسلۂ تبلیغ جاری رکھتے اور اللہ کی طرف سے ارشاد ہوتا۔ فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ''ترجمہ تم صبر کرو جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔''

مشرکین آپ کو جادوگر، کاہن، مجنوں اور شاعر کہتے جور و جفا کی آندھیاں چلتی رہیں، جہالت

اور بدتمیزی کے طوفان اٹھتے رہے، کفار و مشرکین آپ ﷺ کی ذات کو نشانہ ستم بناتے رہے، صحابہ پر ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے، گالیاں دیتے رہے، طعن و تشنیع کرتے رہے حتیٰ کہ پتھر برساتے رہے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔

طائف کا قصہ اور فتح مکہ کے موقع پر آپ کا قریش کو معاف کر دینا عفو و درگذر کی بہترین مثال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اے قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا فیصلہ کرنے والا ہوں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ سچ ان کی زبان پر آیا اور بیک آواز بولے وہی جو ایک بہترین بھائی اور بہترین بھتیجے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ "رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا "جاؤ تم سب آزاد ہو" اس خلق عظیم نے ان کے دلوں کو فتح کر لیا۔ اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔

آپ ﷺ میں شجاعت و استقامت بدرجہ اُتم موجود تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت پر آپ ﷺ کو کامل بھروسہ اور ناقابل شکست اعتقاد تھا۔ ابو طالب کے پاس قریش کا آنے اور آپؐ کو دین کی مخالفت سے منع کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا "بخدا" اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو بھی میں دعوت اسلام کو ترک نہ کروں گا"۔

ظالم و جابر اور پیکر تکبر و رعونت سرداران قریش کے سامنے اعلیٰ الاعلان دین اسلام کی دعوت دینا اور ان کے عقائد کی مخالفت کرنا انتہائی جرات و شجاعت کا کام ہے۔ "نجد کی طرف جہاد سے واپسی پر حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے استراحت فرما رہے تھے کہ ایک کافر غورث بن حارث نے آپ ﷺ کی تلوار اٹھالی اور للکارتے ہوئے کہا تم کو اب میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مجھے بچائے گا۔ یہ سن کر غورث پر ہیبت طاری ہوگئی اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اس پر آنحضرت ﷺ نے تلوار اٹھاتے ہوئے بڑے باوقار لہجے میں اُسے کہا کہ اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟ غورث پر کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ تو حلم وصبر کے پیکر اور معاف کرنے والے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے اُسے محض اللہ واسطے معاف فرما دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔"

جود و سخا یعنی بغیر کسی عوض اور غرض کے عطا کرنا یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا پھر اللہ کے بعد اس کے حبیب ﷺ کی۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی سوالی آتا تو انکار نہ فرماتے۔ جو موجود ہوتا عطا فرما دیتے اور اگر نہ ہوتا تو شائستہ زبان میں معذرت کر لیتے یا قرض لے کر اس کی حاجت پوری کر دیتے آپ ﷺ کے پاس جو بھی ہدیہ اور نذرانہ آتا سب کا سب صدقہ اور خیرات کر دیتے۔

عدل و انصاف میں آپ ﷺ بے نظیر مقام رکھتے تھے اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی ذات اقدس انصاف و عدالت کا معیار ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

حنین کا مال غنیمت تالیف قلوب کے لیے قریش اور دیگر قبائل عرب کو دیا گیا انصار کو کچھ نہ دیا جسے انصار کے بعض افراد نے شدت سے محسوس کیا۔ حضور ﷺ نے انہیں طلب فرمایا اور مخاطب ہوئے کہ اے گروہ انصار کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ۔؟

"اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں انصار کی راہ چلوں گا۔ اے اللہ انصار پر ان کے بیٹوں اور پوتوں پر رحم فرما"۔ یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہو گئی۔ اور فرطِ مسرت سے ان کی آنکھیں اشک بار اور داڑھیاں تر ہو گئیں۔ انہوں نے بیک زبان کہا ہم آپ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہیں، اور اس پر خوش ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے حصے میں آ گئے۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عظیمہ اور شمائل جمیلہ کا یہ بہت ہی مختصر تذکرہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جس کے خلق کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمائے اسے کوئی انسان کماحقہ بیان ہی نہیں کر سکتا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر مجاہدین کی صفین سیدھی کی جا رہی تھیں حضرت سواد بن غضیہؓ صف سے کسی قدر آگے نکل کر کھڑے ہوئے حضور ﷺ نے ان کے سینے پر چھڑی سے سیدھا ہونے کے لیے فرمایا! سواد! سیدھے ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے تکلیف دی اللہ نے آپ ﷺ کو حق و عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے بدلا دیجئے۔ صحابہ کرام حیران رہ گئے کہ اس وقت زندگی اور موت کا سوال ہے یہ بدلا لینے کا کونسا وقت ہے۔ مسلمان تو آقائے دو جہاں ﷺ کے قدموں میں جان قربان کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے

ہیں اور یہ سواد بدلا لینے کی بات کر رہے ہیں۔ جب کہ انہیں فوجی ڈسپلن برقرار رکھنے کے لیے کہا گیا اذیت پہنچانا مقصد نہ تھا لیکن یہ دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور ﷺ نے اپنا گریبان کھول کر سینہ ننگا کر دیا اور فرمایا کہ سواد آؤ اور بدلا لے لو۔ حضرت سوادؓ آگے بڑھتے ہیں اور آپ کے سینے سے لپٹ جاتے ہیں انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ حالات آپ کے سامنے ہیں زندگی کا پتہ نہیں میں نے سوچا دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آپ کی جسد مبارک سے اپنا جسم مس کر لوں۔ محبت و عشق کا یہ منظر دیکھ کر مسلمان تو مسلمان فرشتوں پر بھی رقت طاری ہوگئی حضرت سوادؓ کا کہا سچ ثابت ہوا اور وہ شہید ہوگئے۔

نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کا یہ اعجاز ہے کہ اس سے ہمیشہ سچ اور حق ہی صادر ہوا۔ آپ ﷺ کی صداقت نبوت کی دلیلوں میں سے ہے آپ کی صداقت وہ حقیقت مسلمہ ہے کہ آپ کے بد ترین دشمن بھی اس سے انکار نہ کر سکتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا مکتوب گرامی قیصر روم کے پاس پہنچا تو اتفاقاً ابوسفیان بھی شام میں تھے قیصر روم نے انہیں بلا کر سوال کیا کہ کیا تم دعویٰ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹ کا الزام دیا کرتے تھے۔؟ ابوسفیان نے ''کہا'' نہیں۔ قیصر نے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہ بولیں اور اللہ کے بارے میں جھوٹ کہیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت بھی آپ ﷺ کے پاس مشرکین کی امانتیں موجود تھیں جو بعد میں حضرت علیؓ نے مالکوں کے سپرد کیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اس وقت درس مساوات دیا جب دنیا کے کسی گوشے میں اس کا تصور نہ تھا آپ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے لہذا جو تم کھاؤ انہیں کھلاؤ اور جو تم پہنو انہیں بھی پہناؤ۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو اگر کسی ایسے حکم کا کام دو تو ان کی امداد کرو۔

غزوۂ احد میں بنو دینار کی ایک عورت کا شوہر باپ اور بھائی شہید ہو گئے صحابہؓ نے جب انہیں بتایا تو اُس نے پوچھا حضور ﷺ کا کیا حال ہے۔ صحابہؓ نے فرمایا خیریت سے ہیں اس مقدس خاتون نے کہا مجھے حضور ﷺ کی زیارت کراؤ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت چھوٹی ہے۔ مولا کریم ہمیں بھی ایسی محبت اور اخلاق عظیمہ کی توفیق نصیب فرمائے آپ ﷺ کے اخلاق والطاف نے دلوں کی دنیا فتح کی غیروں کو اپنا بنایا اور اپنوں کی صحبت اور عقیدت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے خوان کرم سے کس کو حصہ نہیں ملا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صداقت ،حضرت عمر فاروقؓ کو حکمت و عدالت، حضرت عثمان غنیؓ کو سخاوت، حضرت علیؓ کو شجاعت، یاران نبیؐ کو صحابیت ،حضرت ابن عباسؓ کو فقہاہت ،حضرت ابو ہریرہ کو حافظہ اور ہم تمام مسلمانوں کو دولت ایمان اور امت رسول ہونے کا شرف آپ ہی کی بارگاہ رسالت سے عطا ہوا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو نعمت وجود آپ ہی کے طفیل سے ملی۔ قیامت کے دن تمام مسلمان آپ ﷺ ہی کی شفقت و شفاعت کے فیضان کے منتظر ہوں گے اور آپ ﷺ ہی سب کو آب کوثر سے سرفراز فرمائیں گے اللہ ہم سب مسلمانوں کو اپنے نبی محمد ﷺ کی طریقت اور شریعت اور اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ دین کی سمجھ بوجھ اور شعور قرآن نصیب فرمائے ،اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے اے اللہ نبی اکرم ﷺ پر ان گنت بے حساب درود و سلام بھیج اور ہم سب کو بھی پکی محبت اور دائمی ساتھ اپنے نبی ﷺ کا عطا فرما۔ فیضان رسول ﷺ سے ہمارے قلوب کو منور فرما اور نور محمدی ﷺ کے طفیل روشن پیشانیوں کے ساتھ اپنے حضور پیش ہونے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ تو اور تیرا رسول ﷺ ہم سب مسلمانوں سے راضی اور خوش ہوں اور ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرما۔

(آمین ثم آمین یارب العالمین)

انا للہ وانا علیہ راجعون

گزشتہ ماہ بہت سے احباب حلقہ کے قریبی عزیز انتقال فرما گئے جن میں ہری پور میں جمروز خاں کی والدہ، زرخان کی والدہ، لاہور میں چوہدری سلیم صاحب کی والدہ، بورے والا میں حافظ مظہر صاحب کے بھائی جناب اعجاز احمد، محمد اکرم کی والدہ اور موکھل سندھواں میں عابد حسین کے والد شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

حیاتِ طیبہ ﷺ
ماہ وسال کے آئینے میں

مرتبہ: سید قاسم محمود

مکی زندگی

عمر مبارک	واقعات	ترتیب زمانی
پہلا سال	ولادت رسول ﷺ	ترجیحی قول، بروز پیر، 9، ربیع الاول، مشہور روایت، بروز پیر 12 ربیع الاول، واقعہ فیل کے 93 یا 94 دن بعد 18 ماہ دے.........40 نوشیروانی 25 ماہ برمودہ........287 قبطی جدید 22 اپریل..........571 عیسوی 20 ماہ ہفتم.........2585 ابراہیمی یکم جیٹھ.........628 بکری شمس یکم جیٹھ.........3672 کلی جگ 18 ماہ توت.........1319 بخت نصری 10 ماہ ایار.........4331 عبرانی
پہلا سال	حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعت	16 ربیع الاول۔ سن میلادی۔ 52 قبل ہجری 29 اپریل 571ء
دوسرا سال	مکہ معظمہ میں والدہ کے پاس	51 قبل ہجری۔ 573ء
تیسرا سال	واقعہ شقِ صدر (اوّل)	3 میلادی۔ 50 قبل ہجری۔ 574ء
چھٹا سال	بنی سعد سے واپسی	6 میلادی۔ 47 قبل ہجری۔ 577ء
چھٹا سال	والدہ سیدہ آمنہ کا انتقال	6 میلادی۔ 47 قبل ہجری۔ 577ء
چھٹا سال	دادا حضرت عبدالمطلب کے سایہ شفقت میں	6 میلادی۔ 47 قبل ہجری۔ 577ء
8 سال	حضرت عبدالمطلب کا انتقال	9 میلادی۔ 17 جمادی الاول، 44 قبل ہجری (عمر مبارک: آٹھ سال دو ماہ دس ن) 30 جون 579ء
8 سال	چچا حضرت ابو طالب کی کفالت میں	9 میلادی، 17 جمادی الاول، 44 قبل ہجری عمر مبارک آٹھ سال دو ماہ دس دن، 30 جون 579ء
12 سال	شام کا پہلا تجارتی سفر بحیرا راہب	13 میلادی، 19 جمادی الاول، 40 قبل ہجری 583ء (عمر مبارک، بارہ سال دو ماہ دس دن)
16 سال	جنگِ فجار میں شرکت	13 میلادی، 37 قبل ہجری، جون 586ء
16 سال	معاہدہ حلف الفضول میں شرکت	15 میلادی، ذی قعد، 37 قبل ہجری، دسمبر 586ء
16 سال	خدمت گلہ بانی	16 میلادی تا 24 میلادی، 38 قبل ہجری تا 27 قبل ہجری 587ء تا 594ء
25 سال	شام کا دوسرا تجارتی سفر نسطورا راہب	25 میلادی، 28 قبل ہجری، جولائی 595ء
25 سال	حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح	25 میلادی، 25 ربیع الاول، 27 قبل ہجری، ستمبر 595ء
28 سال	ولادت سیدنا قاسم بن رسول ﷺ	28 میلادی، 25 قبل ہجری، جون 598ء
30 سال	ولادت سیدہ زینبؓ بنت رسول ﷺ	30 میلادی، 23 قبل ہجری، جون 600ء
30 سال	''صادق الامین'' کا خطاب	30 میلادی، 22 قبل ہجری، 601ء
32 سال	ولادت سیدہ رُقیہؓ بنتِ رسول ﷺ	32 میلادی، 20 قبل ہجری، 603ء
33 سال	ولادت سیدہ اُم کلثومؓ بنت رسول ﷺ	33 میلادی، 19 قبل ہجری، 604ء
35 سال	تعمیر کعبہ اور حجر اسود کے تنازع کا فیصلہ	35 میلادی، 18 قبل ہجری، 605ء
35 سال	ولادت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ	35 میلادی، 18 قبل ہجری، 605ء
35 سال	سیدنا علی مرتضیٰ کفالتِ نبوی ﷺ میں	35 میلادی، 18 قبل ہجری، 605ء
36 سال	تخلیہ پسندی، غارِ حرا میں قیام	36 سال میلادی تا 39 میلادی، 17 قبل ہجری تا 14 قبل ہجری 606ء تا 609ء
41 سال	نزولِ وحی، نبوت کا آغاز	بروز پیر، 41 سال میلادی، 12 قبل ہجری، 9 ربیع الاول، سن نبوی کا آغاز، 9 فروری 610ء
41 سال	آغازِ نزولِ قرآن	شب جمعہ، 18 رمضان المبارک، سن 1 نبوی، 12 قبل ہجری، 14 اگست 610ء
41 سال	دو نمازوں کی فرضیت	شب جمعہ، 18 رمضان المبارک، سن 1 نبوی، 12 قبل ہجری، 14 اگست 610ء
41 سال	خفیہ دعوت کا آغاز	شب جمعہ، 18 رمضان المبارک، سن 1 نبوی، 12 قبل ہجری، 14 اگست 610ء
	سابقون الاولون حضرت خدیجہؓ حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عثمانؓ کا قبول اسلام	
43 سال	کوہ صفا پر اعلانیہ دعوتِ اسلام	43 میلادی، 4 نبوی، 9 قبل ہجری، 614ء
43 سال	روسائے قریش حضرت ابو طالب کی خدمت میں	43 میلادی، 4 نبوی، 9 قبل ہجری، 614ء
43 سال	صحابہ کرامؓ پر قریش کے مظالم	43 میلادی، 4 نبوی، 9 قبل ہجری، 614ء
44 سال	دارِ ارقم: دعوت وتبلیغ کا پہلا مرکز	44 میلادی، 5 نبوی، 10 قبل ہجری، 614ء
46 سال	صحابہ کرام کی ہجرتِ حبشہ	رجب 5 نبوی، 7 قبل ہجری، اپریل 615ء
46 سال	نجاشی کے دربار میں کفار مکہ کا وفد	5 نبوی، 7 قبل ہجری، 615ء
46 سال	چچا حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	ذی الحجہ، 6 نبوی، 7 قبل ہجری، 616ء
46 سال	حضرت عمر فاروقؓ کا قبول اسلام	ذی الحجہ، 6 نبوی، 7 قبل ہجری، 616ء
47 سال	شعب ابی طالب میں محصوری	یکم محرم بروز منگل، 7 نبوی، اپریل 617ء
49 سال	شعب ابی طالب سے رہائی	محرم 10 نبوی، 619ء
50 سال	حضرت ابو طالب کا انتقال	رمضان المبارک 10 نبوی، 3 قبل ہجری، جنوری 619ء

50سال	حضرت خدیجہ الکبریٰ کا انتقال	رمضان المبارک 10 نبوی، 3 قبل ہجری، جنوری 619ء
50سال	عام الحزن (غم واندوہ کا سال)	دس نبوی، 3 قبل ہجری، 619ء
50سال	حضرت سودہؓ سے نکاح	آخر رمضان المبارک 10 نبوی، 3 قبل ہجری، فروری 619ء
50سال	حضرت عائشہ سے نکاح	شوال 10 نبوی، 3 قبل ہجری، مارچ 619ء
50سال	دعوت اسلام کیلئے سفر طائف	27 شوال 10 نبوی، 3 قبل ہجری، مارچ 619ء
50سال	قبائل و وفود کو دعوت اسلام	ذی قعد، ذی الحجہ 10 نبوی، 3 قبل ہجری، 619ء
50سال	مدینہ میں اسلام کا آغاز	ذی الحجہ، نبوی، قبل ہجری، آواخر 619ء
51سال	واقعہ معراج اور نماز پنج گانہ کی فرضیت	27 رجب، 10 نبوی، 2 قبل ہجری، 8 مارچ 620ء
51سال	طفیل بن عمر دوسی اور ابوذر غفاری کا قبول اسلام	اختتام 10 نبوی، 2 قبل ہجری، 620ء
51سال	بیعت عقبہ اُولی	ذی الحجہ، 12 نبوی، 1 قبل ہجری، جولائی 621ء
52سال	بیعت عقبہ ثانیہ	ذی الحجہ، 13 نبوی، تین ماہ قبل ہجری، جون 622ء
52سال	صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کا حکم	ذی الحجہ محرم 13 نبوی، تین ماہ قبل ہجری، جون 622ء
52سال	رسول کریم ﷺ کے قتل کی ظالمانہ قرارداد	صفر، 14 نبوی، چند ایام قبل ہجری، 622ء
52سال	کاشانہ نبوی ﷺ کفار کے نرغے میں	26,25 صفر، 14 نبوی، 12,11 ستمبر 622ء
53سال	ہجرت مدینہ کا آغاز	27 صفر، شب جمعہ، 14 نبوی، 12 ستمبر 622ء
53سال	مکہ سے غار ثور	27 تا 29 صفر، 14 نبوی، 12 تا 14 ستمبر 622ء
53سال	غار ثور سے روانگی	29 صفر، 14 نبوی، 14 ستمبر 622ء
53سال	قبا میں تشریف آوری	8 ربیع الاول 14 نبوی، 1 ہجری، 23 تا 26 ستمبر
53سال	تعمیر مسجد قبا	9 تا 11 ربیع الاول 14 نبوی، 1 ہجری، 23 تا 26 ستمبر 622ء
53سال	پہلی نماز جمعہ	12 ربیع الاول بروز جمعہ، 1 ہجری، 27 ستمبر 622ء

مدنی زندگی

53سال	مدینہ منورہ میں ورود مسعود	12 ربیع الاول بروز جمعہ، 1 ہجری، 27 ستمبر 622ء
	کاشانہ حضرت ابوایوب انصاریؓ پر قیام	12 ربیع الاول بروز جمعہ، 1 ہجری، 27 ستمبر 622ء
	مسجد نبوی کی تاسیس	19 ربیع الاول، 1 ہجری، اکتوبر 622ء
	اذان کی ابتداء	19 ربیع الاول، 1 ہجری، اکتوبر 622ء
	مہاجرین وانصار میں مواخات	ربیع الثانی، 1 ہجری، نومبر 622ء
	میثاق مدینہ	جمادی الآخر، 1 ہجری، مارچ 623ء
	سریہ سیف البحر	رمضان المبارک، 1 ہجری، مارچ 623ء
	سریہ رابغ	شوال، 1 ہجری، اپریل 623ء
	حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی	شوال، 1 ہجری، اپریل 623ء

	سریہ خرار	ذی قعد، 1 ہجری، مئی 623ء
	ولادت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	ذی قعد، 1 ہجری، مئی 623ء
54سال	فرضیت جہاد	12 صفر، 2 ہجری، 15 اگست 623ء
	غزوہ ودّان (ابوا)	صفر، 2 ہجری، 11 اگست 623ء
	غزوہ بواط	ربیع الاول، 2 ہجری، ستمبر 623ء
	غزوہ صفوان (بدر اُولی)	ربیع الاول، 2 ہجری، ستمبر 623ء
	غزوہ ذوالعشیرہ	جمادی الآخر، 2 ہجری، دسمبر 623ء
54سال	سریہ نخلہ	رجب، 2 ہجری، جنوری 624ء
	حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام	رجب، 2 ہجری، جنوری 624ء
	تحویل قبلہ کا حکم	15 شعبان، 2 ہجری، 11 فروری 624ء
	روزوں کی فرضیت	یکم رمضان، 2 ہجری، بروز اتوار، فروری 624ء
	غزوہ بدر	17 رمضان المبارک، 2 ہجری، مارچ 624ء
	وفات سیدہ رقیہ بنت رسولؐ	رمضان، 2 ہجری، مارچ 624ء
	غزوہ بنی سلیم	25، رمضان المبارک، 2 ہجری، مارچ 624ء
	پہلی نماز عید الفطر	یکم شوال، 2 ہجری، اپریل 624ء
	زکوٰۃ کی فرضیت	شوال 2 ہجری، اپریل 624ء
	حضرت فاطمہؓ کی رخصتی	شوال 2 ہجری اپریل 624ء
	غزوہ بنو قینقاع	15 شوال، 2 ہجری، اپریل 624ء
	غزوہ سویق	ذی الحجہ، 2 ہجری، 29 مئی 624ء
	پہلی نماز عید الاضحیٰ	10 ذی الحجہ، 2 ہجری۔ 3 جون 624ء
55سال	غزوہ غطفان	محرم، 3 ہجری، جون 624ء
	حُرمتِ شراب کا حکم	ربیع الاول، 3 ہجری، اگست 624ء
	سریہ محمد بن مسلمہؓ	14 ربیع الاول، 3 ہجری، 4 ستمبر 624ء
	غزوۂ بحران	ربیع الثانی، 3 ہجری، اکتوبر 624ء
	سریہ زید بن حارثہؓ	جمادی الآخر، 3 ہجری، نومبر 624ء
	حضرت حفصہؓ سے نکاح	شعبان، 3 ہجری، جنوی 624ء
	غزوۂ اُحد	6 شوال، 3 ہجری، بروز جمعہ، 13 مارچ 625ء
	حضرت امیر حمزہؓ کی شہادت	7 شوال، 3 ہجری، بروز ہفتہ، 14 مارچ 625ء
	غزوہ حمراء الاسد	8 شوال، 3 ہجری، بروز اتوار، 15 مارچ 625ء
	حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح	ذی الحجہ، 3 ہجری، مئی 625ء
	حضرت ام کلثوم کا حضرت عثمان سے عقد	3 ہجری، 625ء
	ولادت حضرت امام حسنؓ	3 ہجری، 625ء
56سال	سریہ ابوسلمہؓ مخزومی	یکم محرم، 4 ہجری، 13 جون 625ء
	سریہ عبداللہ بن انیسؓ	5 محرم، 4 ہجری، 17 جون 625ء

	سریہ رجیع	صفر، 4 ہجری، جولائی 625ء
	سریہ بیئر معونہ	صفر، 4 ہجری، اگست 625ء
	غزوہ ذات الرقاع	جمادی الاول، 4 ہجری، ستمبر 625ء
	حضرت ام سلمہؓ سے نکاح	شوال، 4 ہجری، مارچ، 626ء
	غزوہ بدر الاخری	ذی قعد، 4 ہجری، اپریل، 626ء
	حکم حجاب (پردہ)	ذی قعد، 4 ہجری، اپریل، 626ء
57 سال	غزوہ دومۃ الجندل	25 ربیع الاول، 5 ہجری، 24 اگست 626ء
	غزوہ بنو مصطلق	3، شعبان، 5 ہجری، 28 دسمبر 626ء
	تیمم کا حکم	شعبان، 5 ہجری، 626ء
	حضرت جویریہؓ سے نکاح	شعبان، 5 ہجری، دسمبر 626ء
	حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح	شوال، 5 ہجری، مارچ 627ء
	غزوہ احزاب (خندق)	8 ذی قعد، 5 ہجری، 31 مارچ 627ء
	غزوۂ بنی قریظہ	ذی الحجہ، 5 ہجری، اپریل 627ء
58 سال	سریہ محمد بن مسلمہؓ انصاری	10 محرم، 6 ہجری، یکم جون 627ء
	غزوۂ بنی لحیان	یکم ربیع الاول، 6 ہجری، 21 جولائی 627ء
	غزوۂ ذی قردہ یا غابہ	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ عکاشہؓ بن محصن	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ ذی القصہ	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ بنو ثعلبہ	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ جموم	ربیع الثانی، 6 ہجری۔ اگست 627ء
	سریہ عیص	جمادی الاول، 6 ہجری، ستمبر 627ء
	سریہ طرف	جمادی الآخر، 6 ہجری، نومبر 627ء
	سریہ وادی القریٰ	رجب، 6 ہجری، دسمبر 627ء
	سریہ دومۃ الجندل	شعبان، 6 ہجری، دسمبر 627ء
	سریہ فدک	شعبان، 6 ہجری، دسمبر 627ء
	سریہ اُم قرفہ	رمضان المبارک، 6 ہجری، جنوری 628ء
	سریہ عبداللہ بن رواحہؓ	شوال، 6 ہجری، فروری 628ء
	سریہ کرزؓ بن جابر الفہری	شوال، 6 ہجری، فروری 628ء
	صلح حدیبیہ، بیعت رضوان	ذی قعد، 6 ہجری، 13 مارچ 628ء
	کفار سے اہل اسلام کے نکاح کی حرمت	ذی قعد، 6 ہجری، 13 مارچ 628ء
	حضرت اُمّ حبیبہؓ سے نکاح	ذی الحجہ، 6 ہجری، اپریل 628ء
59 سال	سلاطین کو دعوت اسلام	یکم محرم، 7 ہجری، 11 مئی 628ء
	غزوۂ خیبر	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	اہل حبشہ کی واپسی	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	وفد اشعریین کا قبول اسلام	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	غزوہ وادی القریٰ و تیما	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	واقعہ لیلۃ التعریس	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ تربہ	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ حسمی	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ تربہ	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ بنو کلاب	محرم، 7 ہجری، مئی 628ء
	سریہ خربہ	رمضان المبارک، 7 ہجری، 628ء
	سریہ بن مرہ	شوال، 7 ہجری، 628ء
	سریہ بشیر بن سعد انصاریؓ	شوال، 7 ہجری، 628ء
	آنحضور ﷺ کا عمرۃ القضا	ذی قعد، 7 ہجری، 628ء
	حضرت میمونہؓ سے نکاح	ذقعد، 7 ہجری، 628ء
	سریہ اخرم بن ابی العوجا	ذی الحجہ، 7 ہجری، اپریل 628ء
60 سال	حضرت خالد بن ولیدؓ قبول اسلام	صفر 8 ہجری، جون 629ء
	حضرت عمرو بن العاصؓ کا قبول اسلام	صفر 8 ہجری، جون 629ء
	سریہ موتہ	جمادی الاول، 8 ہجری، اگست 629ء
	سریہ ذات السلاسل	جمادی الآخر، 8 ہجری، ستمبر 629ء
	فتح مکہ	رجب، 8 ہجری، اکتوبر 630ء
	سریہ خالد بن ولیدؓ	25 رمضان، 8 ہجری، جنوری 630ء
	سریہ عمرو بن العاصؓ	25 رمضان، 8 ہجری، جنوری 630ء
	سریہ سعد بن زیدؓ اشہلی	26 رمضان، 8 ہجری، جنوری 630ء
	سریہ خالد بن ولیدؓ	شوال، ہجری، فروری 630ء
	غزوۂ حنین (اوطاس)	شوال، ہجری، فروری 630ء
	غزوۂ طائف	شوال، ہجری، فروری 630ء
	جعرانہ میں آمد (مال غنیمت کی تقسیم)	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
	وفد ہوازن کا قبول اسلام	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
	عمرہ جعرانہ	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
	وفد صدآ کا قبول اسلام	ذی قعد، 8 ہجری، مارچ 630ء
61 سال	تنظیم زکوٰۃ (عاملین کا تقرر)	محرم، 9 ہجری 630ء
	سریہ عیینہؓ بن حصن	محرم، 9 ہجری 630ء
	سریہ قطبہ بن عامرؓ	صفر، 9 ہجری 630ء
	وفد عذرہ کا قبول اسلام	صفر، 9 ہجری 630ء
	وفد بلی کا قبول اسلام	ربیع الاول، 9 ہجری 630ء
	سریہ ضحاک بن سفیانؓ	ربیع الاول، 9 ہجری 630ء
	سریہ علقمہ بن مجزز مدلجی	ربیع الاول، 9 ہجری 630ء

	سریہ بنو طے	ربیع الاول، 9ہجری 630ء
	سیدنا ابراہیم کی ولادت	جمادی الاول، 9ہجری 630ء
	غزوہ تبوک	رجب، 9ہجری 630ء
	جزیہ لینے کا حکم	رجب، 9ہجری 630ء
	سریہ خالد بن ولیدؓ	رجب، 9ہجری 630ء
	مسجد ضرار	شعبان، 9ہجری 630ء
	وفد ثقیف کا قبول اسلام	رمضان المبارک، ۹ہجری، جنوری 631ء
	حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حج	ذی قعد، 9ہجری، مارچ 631ء
	فرضیت حج	ذی الحجہ، 9ہجری، اپریل 631ء
	سود کی حرمت	ذی الحجہ، 9ہجری، اپریل 631ء
	وفد نصاریٰ نجران	ذی الحجہ، 9ہجری، اپریل 631ء
62سال	وفد بنی الحارث کا قبول اسلام	ربیع الثانی، 10ہجری، جولائی 631ء
	حجۃ الوداع، مدینہ سے روانگی	5ذی قعد، 10ہجری، 22فروری 632ء
	مکہ معظمہ میں داخلہ	4ذی الحجہ، 10 یکم مارچ 632ء

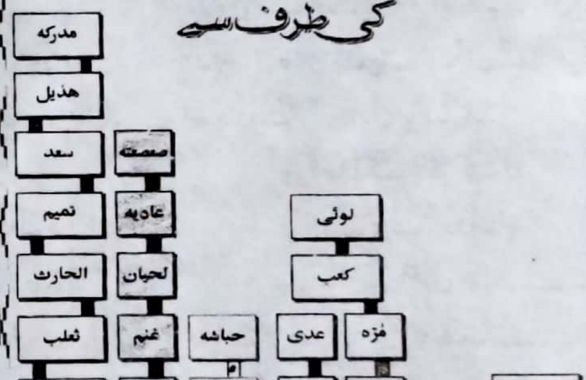
	عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع	9ذی الحجہ بروز جمعہ، 10ہجری، 6مارچ 632ء
	منیٰ سے واپسی	13ذی الحجہ، منگل، 10ہجری، 10مارچ 632ء
63واں سال	وفد نخع کی آمد (حیات مبارکہ کا آخری سال)	بروز اتوار، 15محرم، 11ہجری، 11اپریل 632ء
	سریہ اسامہ بن زیدؓ	28صفر، 11ہجری، 24مئی 632ء
	وفات رسول کریم ﷺ: آغاز مرض	دوشنبہ، 29صفر، ۱۱ہجری، 25مئی 632ء
	حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت کا حکم	11ربیع الاول، ۱۱ہجری، 6جون 632ء
	آنحضور ﷺ کے آخری لمحات، وصال	12ربیع الاول، ۱۱ہجری، بروز پیر، بوقت چاشت 7جون 632ء
	تدفین جسم اطہر	14ربیع الاول، ۱۱ہجری، بروز بدھ بوقت شب، 8جون 632ء

کل عمرِ مبارک: 63سال، 4دن اور تقریباً پانچ گھنٹے

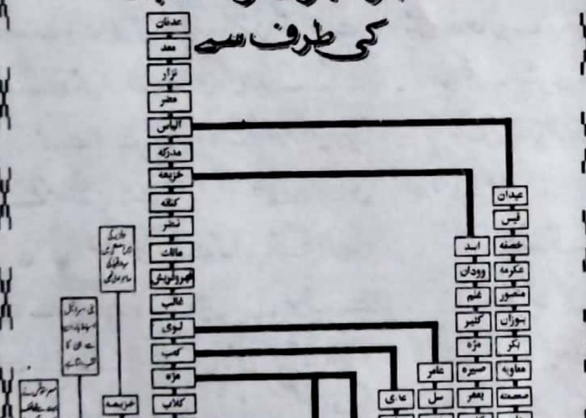
عالمِ دنیا میں: 22ہزار 330دن اور تقریباً پانچ گھنٹے قیام فرمایا

ان میں سے 8ہزار 156دن دعوت و تبلیغ میں بسر ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ طیبہ والدہ مطہرہ کی طرف سے



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مبارک والد ماجد کی طرف سے



قرآن اور صاحب قرآن، عملی پہلو

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

☆ رسول اللہ ﷺ کی زندگی قرآن کریم کا کامل بلکہ اکمل نمونہ ہے۔ آپ کی عملی زندگی میں قرآن کریم کے الفاظ کا عکس ہے۔ اس کی تائید قرآن کریم کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

"اور وہ نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا"۔

آپ ﷺ کی گفتار و کردار کی قرآن سے مناسبت کی کئی مثالیں قرآن میں موجود ہیں۔

چنانچہ سورۃ المجادلہ کی ابتداء میں ارشاد ہے!

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ق

"سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے حق میں اور شکایت کرتی تھی اللہ کے آگے"۔

عورت اپنے اور خاوند کے درمیان پیدا ہونے والے مسئلہ پر بحث و تکرار اور شکایت کر رہی ہے۔ قرآن اس کا نقشہ کھینچ رہا ہے کہ آپ ﷺ اس کی باتیں سن رہے ہیں اور خاموش ہیں، اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کے لئے تیار نہیں، حتیٰ کہ آپ ﷺ پر وحی الٰہی نازل ہوئی۔ یہ صاحب قرآن کی عملی تصویر ہونے کی کتنی عمدہ مثال ہے۔ اس طرح کی مثالیں اور بھی ہیں۔ جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قرآن کا قرآن کے ساتھ ہمہ پہلو کتنا گہرا تعلق تھا۔ حضرت عائشہ سے جب سوال ہوا کہ آپ ﷺ کا اخلاق کیا تھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ!

"اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق قرآن تھا"۔

معروف مفکر ابوالکلام آزادؒ نے لکھا ہے!

دراصل قرآن اور حیات نبوت معناً ایک ہی ہیں۔ قرآن متن ہے اور سیرت اس کی تشریح، قرآن علم ہے اور سیرت اس کا عمل۔ قرآن کریم نے جن اخلاقی رفعتوں کو سراہا لوگوں نے ان کو رسول کریم ﷺ کی زندگی میں پایا۔ آپ کے اخلاق عظیم کے پیکر ہونے کا اعلان قرآن نے کیا!

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○

"اور تو پیدا ہوا بڑے خلق پر"۔

ایسا کیوں نہ ہوتا رسول ﷺ کو عملی قرآن بنانے کا اہتمام خود ربّ العالمین نے کیا۔ جبرائیلؑ جب پہلی وحی لے کر آئے تو آپ ﷺ فرمانے لگے۔

"میں پڑھنے والا نہیں ہوں"۔ آپ ﷺ کا یہ کہنا قرآن کریم کی ان آیات کے عین مطابق ہے۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

"تو نہیں جانتا تھا کہ کیا کتاب ہے اور نہ ایمان۔

اور فرمایا!

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط

"تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا"

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے کہا یہ ہماری ذمہ داری ہے

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ○

"البتہ ہم پڑھائیں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا۔

پھر پڑھایا اور آپ ﷺ جلدی کرنے لگے۔ تو فرمایا گیا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○

"نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تا کہ جلدی اس کو سیکھ لے، وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھنے لگیں فرشتہ کی زبانی تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے"

قرآن کی اس تعلیم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا۔ جس کو قرآن میں بطور مقام واحسان بیان کیا۔ ارشاد ہے!

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○

"کیا ہم نے نہیں کھول دیا تمہارا سینہ"۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی قرآن کی تعلیم وتکمیل کا بندوبست کیا۔ اس کے لئے آپ کا سینہ کھول دیا اور اس کو آپ ﷺ کے لئے آسان کیا۔ آپ کے آداب کو ضروری قرار دیا اور آپ ﷺ کی انسانی حیثیت کو بھی بیان کر دیا۔ تا کہ کوئی انسان کسی وجہ سے دھوکے یا شک وشبہ کا شکار نہ ہو۔ کفار ومشرکین آپ ﷺ کو **ھو الابتر** کہہ کر آپ ﷺ کی دل آزاری کرتے اور اپنے ہم نواؤں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے کہ جلد اس کا نام مٹ جائے گا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا اور فرمایا!

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○

"ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا"

بحرالکاہل کے مغربی کنارے سے لے کر دریائے ھوانگ کے شرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ایسا شخص ہے۔ جس نے صبح کے روح افزاء جھونکوں کے ساتھ فضا میں گونجتی اذان کی آواز نہ سنی ہو جس نے رات کی خاموشی میں **اشھد ان محمدالرسول اللہ** کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔

آپ ﷺ کے ادب کے متعلق فرمایا!

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

"آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے" اور فرمایا "بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اوپر"۔
یہ کہہ کر قرآن نے صاحب قرآن ﷺ کی تعظیم و تکریم کو فرض کر دیا۔ اس آیت نے بتا دیا کہ جس نے نبی ﷺ کی پیروی کی راہ اپنائی اور اپنی آواز اور رائے کو نبی ﷺ کے سامنے پست کر لیا، اصل میں اس نے قرآن پر عمل کیا۔ جس نے ایسا نہ کیا اس کے اعمال برباد ہوئے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ

"کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام"

آپ ﷺ کے اس عالی مقام کو بیان کر کے ساتھ ہی قرآن کریم نے آپ کی ذات کے متعلق پیدا ہونے والے ان شبہات کو رد کر دیا جن کو بنیاد بنا کر بعض لوگوں نے کفر و انکار کا راستہ اختیار کی کوشش کی

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط

"یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کو اس طرح دور کر دیا کہ آپ ﷺ کہہ دیں!

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

"تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا"۔

میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ سے پہلے بھی بستیوں کے رہنے والوں کی طرف رسول آتے رہے اور جو بھی رسول مجھ سے قبل آیا وہ انسان ہی تھا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى

"اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کی طرف بستیوں والوں میں سے"۔

مجھ پر بشر رسول ہونے کا اعتراض کیا کرتے ہو۔ ان کے اعتراض کو قرآن نے نقل کیا!

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

"کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر"۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی انسانی حیثیت کو اس طرح واضح کر دیا۔ مسلم شریف میں ہے لوگ کھجور کو پیوند کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرو۔ لوگوں نے پیوند نہ کیا تو پھل کم رہا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا!

"میں انسان ہوں جب تمہیں تمہارے دین کے معاملے میں حکم دوں تو اس کو لے لو اور جب اپنی رائے سے بات کہوں تو میں بہر حال انسان ہوں"

قرآن کریم میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جن میں اس بات کو مختلف الفاظ اور صیغوں کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ ہر آن وحی کی پابندی کی زندگی گزارتے تھے۔

کسی مقام پر اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ج

"تو چل اس پر جو حکم تجھ کو آئے تیرے رب کا"۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

"اور چل اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بے شک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے"۔

اور کبھی رسول ﷺ کی زبان سے یہ کہلوایا جا رہا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ج

"تو کہہ دے میں تو چلتا ہوں اس پر جو حکم آئے میری طرف میرے رب سے"

سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ رسول ﷺ نے ہجرت کے روز دوپہر کے وقت ابوبکرؓ سے کہا: ابوبکر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہجرت اور ترک سکونت کی اجازت دے دی ہے۔ جب تک آپ ﷺ کی طرف وحی نہیں آئی آپ مصائب و آلام سہتے رہے لیکن مکہ کو نہیں چھوڑا۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"میں اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام تو یہی ہے ڈر سنا دینا کھول کر"۔

رسول اللہ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ان کا قبلہ وہی ہو جو ان کے جد امجد ابراہیمؑ کا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی خواہش سے ایک بار بھی اس طرف رخ کر کے نماز ادا نہیں کی جب تک کہ اللہ کی طرف سے حکم نہیں آ گیا۔ آپ ﷺ آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر دعا اور انتظار کرتے تھے کہ اللہ اس کا حکم نازل فرما دے جسے قرآن میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے!

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ص

"بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف، سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے"۔

جب تک آسمان سے ان الفاظ کے ساتھ وحی نہیں آئی آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے۔ جونہی وحی!

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۝

"اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں"

نازل ہوئی آپ ﷺ اسی وقت مسجد حرام کی طرف پھر گئے۔ اور! "اتبع ما یوحیٰ الی" کی اعلیٰ مثال بن کر دکھایا۔

قرآن نے رسول اللہ ﷺ کو چار منفرد حیثیتوں سے پیش کیا۔

ابراہیمؑ کی دعا!

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

"اے اللہ۔ ان لوگوں میں ایک رسول پیدا فرما جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو غالب حکمت والا ہے"۔

سورۃ جمعہ میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

"وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا اور سکھلاتا ہے ان کتاب اور حکمت"۔

دوسری جگہ اللہ نے ان چار صفات والے

رسول ﷺ کو مومنین پر انعام کہا۔

''اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں سے...... پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے''

آپ ﷺ کی چوتھی صفت حکمت کا حکم

قرآن مجید میں ارشاد ہے!

''بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو''۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجئے جو مختصر اور جامع ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تو اپنی نماز میں کھڑا ہو تو اس شخص کی طرح نماز پڑھ جو آخری نماز پڑھنے والا ہے اور نہ کہہ ایسی بات جس کے متعلق کل تجھے عذر بیان کرنا پڑے اور پوری طرح نا امید ہو جا اس چیز سے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس آدمی کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری بات کو سنا پھر اس نے اسے یاد کیا اور محفوظ کیا پھر اسے پہنچا دیا بہت سے فقہ لینے والے ہی غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کتنے ہی فقہ لینے والے زیادہ فقیہوں کو پہنچانے والے ہوتے ہیں۔''

آپ ﷺ کے ادب و احترام کا جو حکم قرآن نے دیا اس کا نقشہ صحابہ نے پیش کیا چنانچہ عروہ بن مسعود نے قریش کو بتایا: اے قوم مجھے بار بار نجاشی قیصر و کسریٰ کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا ہے مگر مجھے کوئی بھی ایسا بادشاہ نظر نہیں آیا جس کی عظمت دربار والوں کے دل میں ایسی ہو جیسے اصحاب محمد ﷺ کے دل میں محمد ﷺ کی ہے۔ جب محمد ﷺ کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے سب مبادرت کرتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتا تو مستعمل پانی کے لیے ایسے گرتے پڑتے ہیں گویا ان میں لڑائی ہو جائے گی۔ جب وہ کلام کرتا ہے تو سب کے سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں محمد کا اتنا ادب ہے کہ نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

صاحب قرآن نے قرآن کی آیت کے مطابق تعلیم دے کر ان کا تزکیہ کیا کہ لوگ گناہ سرزد ہو جانے کی صورت میں اتنے پریشان اور بے چین ہو جاتے تھے کہ خود کو سزا کے لیے پیش کر دیا کرتے تھے تا کہ اس دنیا میں ہی اپنے آپ کو پاک کروالیں۔ صاحب قرآن نے ایسے لوگوں کا حدود اللہ کے نفاذ کے ذریعے تزکیہ فرمایا:

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ عز بن مالک اسلمیؓ نے خود آ کر اقرار کیا کہ اسے پاک کر دیا جائے اور اس پاکیزگی کے لیے اس کو سزا دی جائے۔ چنانچہ اس کو رجم کیا گیا۔

قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی مختلف حیثیتوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا O

''ہم نے تجھ کو بھیجا گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا''

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

''اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو''

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ

''تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے۔''

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا ط وَّنَذِیْرًا
وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ O

''ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر خوشی اور ڈر سنانے والا اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا ڈر سنانے والا۔''

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ O

''میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایماندار لوگوں کو۔''

مندرجہ بالا آیات میں قرآن نے صاحب قرآن کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ رسول کریم ﷺ زندگی بھر اس فریضہ کو ادا کرتے رہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ O

''اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو۔''

تو آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر فرمایا:

''اے بنی فہر! اے بنی عدی قریش کے قبیلے کے لوگو! یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ اگر کوئی آدمی خود نہ آسکا تو اس نے اپنا قاصد بھیجا تا کہ معلوم کرے کہ کیا ہوا ہے؟ ابولہب اور قریش آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی ایک جانب سے لشکر نکلنے والا ہے؟ اور ایک روایت یہ کہ ایک لشکر وادی سے نکلنے والا ہے اور تم پر غارت ڈالنا چاہتا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں، ہم نے آپ ﷺ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو ڈرانے والا میرے آگے سخت عذاب ہے۔ ابولہب نے کہا آپ کے لیے ہلاکت ہو۔ اس لیے آپ ﷺ نے ہمیں جمع کیا (اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی:

''تبت یدا ابی لھب''

اسی طرح آپ ﷺ نے بنی کعب، بنی مرۃ، بنی عبد شمس، بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کو جمع کر کے ان الفاظ کے ساتھ ڈرایا!

''تم اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ۔''

اسی طرح حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے خبردار کیا کہ!

''تم اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ اس لیے کہ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اختیار نہیں پاتا۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ مجھ سے مال دنیا میں سے جو چاہے مانگ لے یقیناً میں تیرے لیے قیامت کو کچھ نہیں کر سکوں گا۔''

قرآن کریم نے رسول کریم ﷺ کی دوسری حیثیت بشیر کی بیان فرمائی اور آپ ﷺ اس کے عملی نمونہ تھے۔ کتنے ہی لوگوں کو آپ ﷺ نے حکم الٰہی سے دنیا میں جنت کی خوشخبری دی۔

ایک موقع پر فرمایا:

"جس شخص نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کی لونڈی کے بیٹے ہیں اور جنت اور دوزخ حق ہیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔"

"میرے پاس جبرئیل آئے اور میرا ہاتھ پکڑا پھر مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت اس میں داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں پسند کرتا ہوں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتا تو اس کو بھی میں دیکھ لیتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تو پہلا شخص ہوگا جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہوگا۔"

قرآن کریم میں آپ ﷺ کو نیکی کے پرچار کرنے اور برائی سے منع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ O

"آپ ﷺ معاف کریں۔ بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کریں"

آنحضرت ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف فرمادیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے متعلق سب نے کہا آپ ﷺ اچھے بھائی ہیں اور اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا میں وہی بات کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی! اور فرمایا "تم آزاد ہو"۔

آپ ﷺ نے ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کو معاف کردیا جو کہ آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے۔ اسی طرح وحشی بن حرب کو معاف کیا جو کہ حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا۔ اسی طرح عکرمہ بن ابی جہل کو بھی معاف فرمایا۔

قرآن حکیم نے رسول ﷺ کو لوگوں کی اصلاح وہدایت کے لیے بے چینی کی بابت فرمایا:

"آپ ﷺ ان پر حسرتیں کرکے اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔"

ایک اور مقام پر قرآن نے صاحبِ قرآن ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا:

"پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں گے تو ان کے پیچھے اپنی جان کو ہلاک کرلوگے۔"

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن مرۃ سے سورہ نساء سنی جب اس آیت پر پہنچے!

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ
وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا O

"پس کیسے ہوگا جس وقت لائیں گے ہم ہر امت سے گواہ اور ہم تمہیں ان پر گواہ لائیں گے۔"

تو آپ ﷺ کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے صاحبِ قرآن کو کفار کی خوشحالی اور مسلمانوں کی تنگ دستی کی بنا پر غمگین رہنے پر مخاطب کرکے فرمایا:

"آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے اس کے بعد ان لوگوں کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔"

صاحبِ قرآن آیاتِ قرآن کی عملی تفسیر تھے دنیا کی کوئی وقعت نہ سمجھتے ہمیشہ آخرت کی تیاری رکھتے سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا ایک کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم پر اس کے نشان تھے۔ چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ دعا کریں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی امت پر وسعت کردے فارس اور روم کے لوگ خوش حال زندگی گزارتے تھے، آپ ﷺ فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا وہ لوگ ہیں جن کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا میں دے دیا گیا، حضرت عمرؓ نے عرض کی اللہ کے رسول ﷺ میرے لیے استغفار کیجئے

احادیث نبوی ﷺ میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے متعلق فرماتی ہیں کہ:

"آلِ محمد ﷺ نے لگاتار دو دن جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ ﷺ اس دنیا سے چلے گئے۔"

قرآن نے حضرت محمد ﷺ کو دنیا سے بے رغبت رہنے کا حکم دیا:

"اور اپنی نگاہوں کو ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ دوڑانا جو ہم نے ان لوگوں کو آرائش دنیا میں سے دی ہیں تیرے رب کا دینا بہت بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور روکے رکھا اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، طالب ہیں اس کے منہ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی۔"

چنانچہ آپ ﷺ انہی غرباء سے محبت کرتے اور دعا کرتے۔

"اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین موت دے اور مسکینوں کے گروہ میں اٹھا"

قرآن میں صاحبِ قرآن بلکہ تمام رسولوں کو حکم دیا۔

"اے پیغمبروں کی جماعت پاکیزہ کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔"

آپ ﷺ کی شفقت ومحبت کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

"اور تجھ کو ہم نے بھیجا دوجہان کے لوگوں پر رحمت بناکر" اور

"آیا ہے تمہارے پاس رسول ﷺ تم میں کا، بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے حریص ہے تمہاری بھلائی پر، ایمان والوں پر مشفق اور رحم کرنے والا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کا رویہ بھی چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ قرآنی تعلیمات کے مطابق تھا ملاحظہ ہو:

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ مجھے ساتھ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ، انس عقل مند لڑکا ہے۔ آپ ﷺ کی خدمت کرے گا۔ حضرت انسؓ

کہتے ہیں۔ میں نے سفر و حضر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت کی اللہ کی قسم آپ ﷺ نے کسی کام کے متعلق جو میں نے کیا، یہ نہ فرمایا، تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور نہ کسی چیز کے لیے جو نہ کیا ہو، آپ نے یہ نہ فرمایا، تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟

آپ ﷺ نے معاشرے کے مظلوم اور بدحال لوگوں کی سرپرستی کی جب قرآن کریم میں رنگ، نسل اور دولت کی بنیاد پر برتری کے سابقہ قانون کو بدلا گیا اور اس کی جگہ تقویٰ و پارسائی کی بنیاد پر برتری اور فضیلت کا معیار قائم کیا، فرمایا:

''لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

تو اسی بات کی مناسبت سے آپ نے حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا:

''دیکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو سرخ پر اور سرخ کو کالے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں بغیر تقویٰ کے۔''

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ داروں اور اجنبی ہمسائیوں اور رفقائے پہلو اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

مندرجہ بالا فرمان کی آنحضرت ﷺ زندہ تصویر تھے۔ نبی رحمت ﷺ نے معاشرے میں جاری ظلم سے منع فرمایا اور اعلان کیا ''جو شخص کسی دوسرے شخص پر ایک بالشت برابر بھی ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈالے گا۔

پڑوسیوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

''تم میں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

قرآن حکیم میں اعلان فرمایا گیا:

''جو شخص یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب اس میں داخل ہوں گے۔''

ان لوگوں کے برعکس ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''بیواؤں اور محتاجوں کا خیال رکھنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنا قرض مانگا اور سخت کلامی سے پیش آیا۔ صحابہ کرامؓ اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اسے مارنے کے لیے اٹھے آپ ﷺ نے فرمایا اسے کہنے دو جس کا حق ہوتا ہے وہ باتیں کر سکتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ اور کسی انصاری کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ آپ ﷺ کے حضور پیش ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ دے دیا انصاری برافروختہ ہو گیا اور کہا کہ آپ نے اپنے پھوپھی زاد کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے مگر آپ ﷺ نے اس سے درگزر کیا۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبی بنا کر بھیجا وہ ضرور بکریاں چرایا کرتا تھا۔''

صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں فرمایا:

''ہاں: میں نے چند قراریط کے بدلے اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔''

قتل کے بارے میں اللہ کا ارشاد اور رسول کریم ﷺ کا عملی پہلو ملاحظہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جس نے کسی کو بغیر بدلے جان کے یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کیا پس گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک جی کو زندہ کیا گویا اس نے سب کو زندہ کیا۔''

ہادی برحق نے فرمایا:

''بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح یہ تمہارا دن، یہ تمہارا شہر (مکہ) اور تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے۔''

قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کے متعلق **رسولا منکم** کہا گیا ہے۔ اس لفظ منکم نے انسان کا شرف ماکان ہونا بتلایا اور ساتھ ہی احساس دے دیا کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

کمالاتِ عبدیت کا اتمام و احتشام حضور ﷺ ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ہے:

''نہیں ہوں میں مگر بشر رسول''

قرآن مجید میں ایفائے عہد کے متعلق ارشاد ہے۔

''اور وعدہ پورا کرو وعدے کا سوال ہو گا۔''

آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ایفائے عہد کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور ابو جندلؓ کو مکہ والوں کے حوالے کر کے اپنے عہد کی پاسداری کی دیگر معاہدات کی بھی آپ ﷺ نے ہمیشہ پابندی کی۔ یہودیوں کے ساتھ کئے ہوئے معاملات میں بھی آپ ﷺ نے کبھی وعدہ کی خلاف ورزی نہ کی۔

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی بہت بڑی علامت شرک سے نفرت کو کہا گیا چنانچہ حضور ﷺ نے ہمیشہ شرک سے بیزاری اختیار کی۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو کفار اور منافقین سے سختی کا حکم ہوا۔

''کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔''

آپ نے عملاً جہاد کر کے کفار اور منافقین سے سختی اور دشمنی کی مثالیں قائم کریں۔ جنگ بدر، احد، حنین، تبوک سب اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

قرآن مجید میں اہل ایمان کے متعلق فرمایا:

''وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ایک دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ارشاد ہے۔

''وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے اور فرمانبرداری کرنے والے اور خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے ہیں۔''

یہ تمام کی تمام صفات آنحضرت ﷺ میں عملاً موجود تھیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

''(کہہ دو پیغمبر) اے میرے خدا! سارے ملک کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہ بنادے جس سے چاہے بادشاہت چھین لے تو جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے اس کا عملی نمونہ فتح مکہ کے موقع پر دکھایا۔ ملک دینا اور چھین لینا اللہ کا اختیار ہے۔ آپ ﷺ عاجز تھے۔ سر جھکا ہوا تھا۔ نیکی کا حکم اور جاہلوں سے منہ پھیرنے کا حکم قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے۔ حکم دیا گیا:

''آپ ﷺ معاف کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔''

آپ ﷺ اس آیت کی زندہ تصویر ہیں۔ آپ ﷺ نے بڑے بڑے دشمنوں ابوسفیان، عکرمہ بن ابی جہل، وحشی بن حرب اور ہندہ ابوسفیان کو معاف کرنے کے ساتھ مکہ کے لوگوں کو معاف کر دیا۔ اسی طرح امر بالمعروف میں آپ ﷺ نے کوئی کمی نہ چھوڑی اور اعراضِ جاہلین میں بھی آپ ﷺ ایک بہترین نمونہ تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے فرائض اور مسلمانوں پر آپ ﷺ کے متعلق فرمایا گیا:

''وہ لوگ جو نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو اپنے پاس لکھا ہوا تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان سے وہ بوجھ ہلکے کرتا ہے جو ان پر تھے وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کی طرف اتارا گیا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

آپ ﷺ نے تبلیغ میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ایک ایک فرد سے لے کر گروہوں اور حکمرانوں تک تو آپ ﷺ نے دعوت دی۔ بلکہ آخری وقت آپ ﷺ نے سب سے دریافت کر کے پوچھا کہ آپ ﷺ لوگوں کا کیا خیال ہے۔ "الاھل بلغت" کیا میں نے پہنچا دیا ہے تو انہوں نے کہا ہاں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ''اللھم اشھد'' ''اے اللہ گواہ رہ''۔ آنحضرت ﷺ کے قرآن کے ہر حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ہر حکم کو اپنا حکم قرار دیا۔

''تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک نہ آپ ﷺ کو اپنے جھگڑوں کے فیصلے سے ان کے دلوں میں تنگی نہ ہو۔ (اور مان کر منظور کر لیں)۔

اور اس وجہ سے قرآن نے آپ ﷺ کی زندگی کو لوگوں کے سامنے نمونہ کے طور پر پیش فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

''تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

دور حاضر میں ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ ہم قرآنی تعلیمات پر اس طرح عمل کریں جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ ہم مختلف مصائب و آلام اور عذابوں میں گرفتار ہیں۔ مسلمانوں کے حالات کی بہتری اور دنیا و آخرت میں سربلندی کا راستہ صرف محمد ﷺ کی مجموعی زندگی کی پیروی ہے۔

جس قدر رازم بھی ہیں جہاں کے ان سے انسان کو کیا ملا ہے
دامن مصطفیٰ ﷺ چھوڑنے سے آدمی کرب میں مبتلا ہے

نعت رسولِ ﷺ

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ ہم رتبہ ہیں سب یاران نبیؐ
ہیں اک ہی مشعل کی کرنیں کچھ فرق نہیں ان چاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

مولانا ظفر علی خاں (مرحوم)

نعت رسول اللہ ﷺ

دنیائے ہست و بود کے آقا مرے نبیؐ
سارے جہاں کے غم کا مداوا مرے نبیؐ
ہر ابتدا حضورؐ سے ہر انتہا حضورؐ
امکان و لامکان سے اولیٰ مرے نبیؐ
رک جائیں جس مقام پہ جبریل بھی وہاں
اک آن میں وہ طے کریں رستہ مرے نبی
شان نبیؐ کی حد ہے نہ اس کا کوئی حساب
انساں کی ساری فکر سے اعلیٰ مرے نبیؐ
دکھیا دلوں کے غم کا مداوا مرے حضورؐ
ہر غم کے ہر مرض کے مسیحا مرے نبیؐ

اطہر صدیقی

آنحضور ﷺ کی فقر پسندی

پروفیسر ارشد کیانی

☆ حبِ مال اور جاہ پسندی انسانی فطرت کا وہ آزار ہیں کہ اگر ان کا سدِ باب نہ کیا جائے تو اٹھنے والا ہر قدم انسان کو ہلاکت و تباہی کے مہیب غاروں میں دھکیلتا چلا جاتا ہے حرص و ہوس کے پھندے کارزارِ حیات میں جہاں جہاں بچھے ہیں ان سے بچ کر جادۂ مستقیم پر استقامت سے گامزن رہنا ایمان کی پختگی اور مومنانہ مردانگی کی علامت ہے۔ حرص و طمع سے دامن کش ہونے اور صبر قناعت کو زینتِ کردار بنالینے کی سعادت اتباعِ اسوۂ رسول ﷺ کے بغیر نہیں ہوتی۔

آنحضور ﷺ انسانیت کا وہ کامل و اکمل نمونہ ہیں کہ جس قدر آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے فلاحِ دارین کی منزل اتنی ہی آسان اور قریب تر ہونے لگتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ قدسی صفات، کہ جانِ کائنات اور غایتِ موجودات ہے، نے ہمیشہ فقر پر فخر کیا اور شہنشاہی میں فقیری کا شیوہ اختیار کیا۔ اگر اس شیوۂ شریفہ کا لب لباب سمجھا جائے۔ تو یہی کہ حضور پاک ﷺ نے اپنی سیرتِ مطہرہ کے ذریعے امتِ مسلمہ کو عملاً یہ درس دیا کہ فکر آخرت کو وظیفہ حیات گردانو کہ یہی اور فقط یہی طریق نجات ہے۔ اس راستے سے سرمو انحراف کرو گے تو فکرِ دنیا کی گہری کھائیوں میں کھو کر خسر الدنیا والآخرہ کے گھاٹ اتر جاؤ گے۔ کیوں کہ فکرِ دنیا، حب مال اور اور جاہ پسندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، اور یہیں حق سے رخ پھر کر باطل کی طرف مڑ جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے غریبوں، فقیروں اور مسکینوں کی سرپرستی فرمائی اور اس طبقہ انسانیت کے ساتھ اپنی عملی ہمدردی کا ثبوت اس طرح دیا کہ خود اپنی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی صورت بسر کی اور دعا فرمائی۔

”خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکین ہی کے زمرہ میں میرا حشر کر۔“

غرض یہ کہ شہنشاہوں کے آقا و مولیٰ نے فقر اور مسکینی کو پسند کر کے فقیروں اور مسکینوں کو ہدفِ حقارت بننے کے بجائے تفاخر سے ہمکنار کر دیا۔ آپ ﷺ کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک غربت و تنگ دستی ذلت و رسوائی کے ہم معنی نہیں اور دولت امارت عزت و وقار کے مترادف نہیں۔ آپ ﷺ نے نیکی و پرہیزگاری کو معیارِ فضیلت و بزرگی گردانا۔

حضور اکرم ﷺ کے نزدیک فقر اور مسکینی میں ایمان کی سلامتی آسان ہے لیکن طمعِ مال اور حرصِ جاہ ایمان کے لیے رسمِ قاتل ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”بھوکے بھیڑیے جب بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں جس کا نگران اور چرواہا غائب ہو تو وہ ان کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا کہ مال و جاہ کی حرص انسان کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔“

دراصل دنیوی حرص وہ برائی ہے جو انسان کو عالمِ فانی میں منہمک کر کے عالمِ باقی سے غافل کرتی ہے اور اس سے آگے جتنے مراحل آتے ہیں۔ ان میں انسان مقتضیات ایمانی کو نظر انداز کرتا اور ترغیباتِ گناہ کا اسیر ہوتا چلا جاتا ہے، پھر برائیاں اس کا عمل بن جاتی ہیں اور نیکیاں فراموش ہونے لگتی ہیں۔ زندگی کی جھوٹی چکا چوند پر وہ مرمٹتا ہے اور موت کی اٹل گھڑی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے، اتنی بڑی گمراہی کا شکار ہو کر وہ احساسِ زیاں سے بے نصیب ہو جاتا ہے۔

ایک دانشمند سے کسی نے کہا کہ ”فلاں شخص نے بہت سامان جمع کر رکھا ہے۔“

اس نے جواب میں کہا کہ ”کیا اس نے اتنی عمر بھی جمع کر لی ہے، جس میں اس مال کو خرچ کر سکے۔“

کہا گیا کہ ”نہیں اتنی عمر تو اس کے پاس نہیں ہے۔“

دانشمند بولا کہ ”پھر اس نے کچھ جمع نہیں کیا۔“

حقیقت یہ ہے کہ تعلیماتِ نبوی بندۂ مومن کے لیے ایک متوازن اور معتدل راہِ حیات کی نشاندہی کرتی ہیں۔ افراط، تفریط ہرگز منشائے اسلام نہیں۔ اسلام سلامتی کا ضامن ہے، اور سلامتی اعتدال میں ہے۔ حرام انتہا پسندی ہے اور حلال عدل پرور انصاف ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اہلِ ایمان کو سگِ دنیا بن جانے سے روکا ہے، لیکن ترکِ دنیا اور رہبانیت سے بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”لوگو! مجھے تمہارے متعلق کسی چیز کا ڈر نہیں۔ مگر ہاں ڈر اس وقت کا ہے جب اللہ تم پر دنیوی عشرت و راحت اور دولت و ثروت کے دروازے کھول دے گا۔“

پھر آپ نے تمثیلاً فرمایا:

”دیکھو ایک شخص اللہ کی نعمتوں کو اناپ شناپ کھاتا ہے

تو ہیضہ کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے لیکن اس کے برعکس ایک کیڑا جو کچھ کھاتا ہے جب تک اسے ہضم کر کے خارج نہیں کر دیتا کچھ اور نہیں کھاتا۔''

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں ایک عظیم حکمت پوشیدہ ہے...... یعنی دولت ایک خیر کثیر ہے۔ اہلِ ایمان اسے خرچ کرتے ہیں افزونی خیرات کے لیے اور بلندی درجات کے لیے .... لیکن گمراہ لوگ حقوق العباد سے منہ موڑ کر جمع مال کے مکروہ شغل میں محو رہتے ہیں

حضور ﷺ شہنشاہ کونین ہیں، وہ چاہتے تو دنیا جہاں کی دولتیں اور عشرتیں ان کے قدموں میں ہوتیں۔ لیکن انہوں نے دنیا میں اس طرح زندگی گزاری کہ قوت لایموت پر اکتفا کیا اور بوریے کو بستر بنایا۔ زندگی اس طرح گزاری جیسے کوئی سرِ راہ شب بسر کرتا ہے اور چل دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈالیں تو یہ سامانِ زیست دکھائی دیتے ہیں۔

حضور ﷺ کے مسکنِ مبارک میں صحن نہ تھا، اور نہ دالان تھا۔ دیواریں مٹی کی تھیں، چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھائی تھی، بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمبل لپیٹ دیے جاتے تھے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت چھو سکتا تھا۔ حضرت صفیہؓ کے نکاح میں جب آپ ﷺ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تو صرف کھجور اور ستو تھے۔

حضور ﷺ کی ساری زندگی اس بات کی غماز تھی کہ فکرِ آخرت ہی انسانی زندگی کے ہر عمل اور ہر حرکت کی محور ہونی چاہیے۔ فکرِ آخرت جس قدر توانا ہوگی، انسان دنیوی زندگی میں حق کی راہ سے نہیں ہٹے گا اس کے برعکس اگر آخرت کی فکر کے بجائے دنیوی زندگی کی آسائشوں اور زیبائشوں کو مطمع نظر بنایا گیا تو پھر موت کی گھڑی فراموش ہو جائے گی اور یہی سب سے بڑی بھول ہوگی۔ جس میں پڑ کر انسان جوہر انسانیت تک کی بنیادی قدر کو کھو دیتا ہے اور چوپایوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی فرو تر مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ رسولِ خدا ﷺ کی یہ حدیث اس مرض کی نشاندہی کرتی ہے اور ہمیں بھول بھلیوں کے اس پاتال سے ابھر کر مومنانہ کردار اپنانے کی تلقین لیے ہوئے ہے، جس میں درسِ عبرت بھی ہے اور وعید بھی ''جب میری امت دنیا کو عظیم الشان اور اونچی سمجھنے لگے گی تو اس کے دلوں سے اسلام کی ہیبت جاتی رہے گی۔ جب بُرے کاموں سے روکنا چھوڑ دے گی تو وحی کی برکت سے دور ہو جائے گی اور جب وہ ایک دوسرے کو بُرا کہنے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

دُرود و سلام

درود اُن پر سلام اُن پر
جو رازدانوں کے رازداں ہیں
جو دونوں عالم میں ضوفشاں ہیں
جو ساری امت پہ مہرباں ہیں
جو وجہِ تخلیق کائنات دوجہاں ہیں
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

جو بے سہاروں کا آسرا ہیں
جو دلفگاروں کا آسرا ہیں
گنہگاروں کا آسرا ہیں
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

جو ان بہاروں سے بھی حسیں ہیں
حسیں نظاروں سے بھی حسیں ہیں
جو شاہ کاروں سے بھی حسیں ہیں
جو چاند تاروں سے بھی حسیں ہیں
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

وہ جو ہدایت کی انتہا ہیں
وہ جو شریعت کی انتہا ہیں
وہ جو طریقت کی انتہا ہیں
وہ جو نبوت کی انتہا ہیں
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

وہ ابتداء ہیں وہ انتہا ہیں
وہ ہی نبوت کا دائرہ ہیں
وہ روزِ محشر کا آسرا ہیں
وہ مصطفیٰ ﷺ ہیں وہ مجتبیٰ ﷺ ہیں
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

محبتوں کا نشان ہیں وہ
ہماری جائے امان ہیں وہ
خدائے برتر کا مان ہیں وہ
کہ دونوں عالم کی شان ہیں وہ
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

ذہین ہیں وہ متین ہیں وہ
زمانے بھر سے حسین ہیں وہ
گماں نہیں ہیں یقیں ہیں وہ
کہ دشمنوں میں امیں ہیں وہ
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

بہار، جانِ بہار ہیں وہ
ہمارے دل کا قرار ہیں وہ
نواز عالی وقار ہیں وہ
خدا کا بس شاہ کار ہیں وہ
درود اُن ﷺ پر سلام اُن ﷺ پر

رسولِ عربی ﷺ
بحیثیت معلمِ اخلاق

پروفیسر ساجد انصاری

☆ دنیا میں انسانیت کی اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے انسانوں میں کردار کی اعلیٰ صفات کی ضرورت اور اچھے اخلاق کی تحقیق کی افادیت اور اہمیت نا قابل تردید حقیقت ہے۔ چنانچہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو تباہی اور گمراہی سے بچانے کے لیے ایسی عظیم ہستیاں پیدا کیں جنھوں نے اپنے گفتار اور کردار سے انسانوں کو زندگی کے اعلیٰ نظریات کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ ان اخلاقی اصولوں پر خود عمل پیرا ہو کر انسانوں کو سیدھے راستے پر چلنا سکھادیا۔

ہر دور میں دنیا کی رہبری اور ہدایت کے لیے رسولوں اور نبیوں کی عظیم اور برگزیدہ ہستیاں خدائے بزرگ و برتر نے مبعوث فرمائیں۔ رشد و ہدایت کی آخری کڑی نبی معظم حضرت محمد ﷺ کی ذات والا صفات ہے جو رہتی دنیا تک کل عالم انسانیت کے لیے زندگی کے ہر شعبے مَیں ہدایت کا ایک مکمل اور ابدی سرچشمہ ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق عالیہ کے ذریعے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔ جو دین آپ ﷺ لائے تھے اس کی اساس اور بنیاد ہی اخلاق کو قرار دیا۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ دراصل آپ ﷺ کی حسن خلق ہی کی تشریح و توضیح ہے۔ اسلام دین فطرت ہے، دین حکمت و بصیرت ہے، اور دین علم و عمل ہے۔ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا کے کامل ترین انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کی ذات اطہر سے جدا ہو کر نہ ہم صراط مستقیم پر گامزن ہو سکتے ہیں اور نہ ہی منزل مقصود کو پاسکتے ہیں

قرآن نے آپ ﷺ کی شخصیت کو رسالت و بشریت کا امتزاج، آپ ﷺ کی رفتار و گفتار کو خلقِ عظیم، آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو حکمت و بصیرت اور آپ ﷺ کی ذات اقدس کو اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کسی ایک قوم، کسی ایک ملک، کسی ایک نسل، یا کسی ایک زمانے کے لیے مخصوص نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا جامع اور مکمل ضابطہ حیات دے کر بھیجا تھا جو تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے تھا۔ اس پیغام کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ انسان صرف خدا کی اطاعت وبندگی کرے۔ جو اس کا خالق و مالک ہے۔ اس کے سوا کسی کی محکومیت اور غلامی قبول نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ واضح کردیا کہ انسان اس دنیا میں جس صلاحیت، دولت، طاقت اور اقتدار کا مالک بنا ہے وہ اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جس کو وہ صرف اپنی مرضی کے مطابق ہی استعمال کرسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے قول و عمل کے ذریعے نہ صرف یہ کہ انفرادی زندگی کے طور طریقے سکھائے بلکہ اجتماعی زندگی گزارنے کے آداب بھی بتائے۔

سرور کونین ﷺ کی مقدس زندگی کا ہر لمحہ تاریخ ساز فیصلوں سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ کا ہر فیصلہ انسانیت کی بھلائی کا ضامن اور اس کے عروج کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کے بروقت برمحل اور صحیح فیصلوں نے انسانی معاشرے کی تشکیل و تکمیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، جس کی مثال روئے زمین پر نہیں ملتی۔

قرآنی تعلیمات اور نظام اسلام کے نفاذ کے لیے کتاب و سنت لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن کے قانون اور مفاہیم کو سمجھنے کے لیے حیات طیبہ اور احادیث کے مطالعے کی اہمیت اور افادیت سے انکار کفر ہے۔ آج ہم حقوق انسانی کے حصول کے لیے اگر آپ ﷺ کے خطبہ حجتہ الوداع کے ارشادات پر غور کریں تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امن و سلامتی صلح و آشتی کے قیام کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر کوئی اور منشور انسانیت نہیں ہے۔ آج بھی تمام عالم انسانیت کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ اور سیرت طیبہ، دنیا میں انسانی محبت، عالمگیر برادری، امن عالم کے استحکام اور انسانی اقدار کی نشاۃ ثانیہ اور انسانیت کی بقاء اور تمدنی ارتقاء کے لیے ابدی سرچشمہ ہے۔

آپ ﷺ دنیا کی وہ واحد عظیم ترین شخصیت ہیں جس کا برملا اعتراف کیے بغیر دشمن بھی نہیں رہ سکتے ہیں

ورق تمام ہوا مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی حیات طیبہ قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے بارے میں فرمایا۔

"میں اخلاق حسنہ کی تشکیل اور تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں"

آپ ﷺ کی زندگی سادگی کا مرقع اور قرآن پاک کی تعلیم کا عملی نمونہ تھی۔ نظام کائنات اور تخلیق انسانی کا یہی تقاضا ہے کہ انسان انفرادی اور اجتماع زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں خالق کائنات کے مقاصد تخلیق کا پیکر ہو اور اس کی متمدنی اور با اخلاق زندگی دوسرے انسانوں کے لئے مایہ رحمت ثابت ہو۔ لیکن تمدن کی برکات اور اس کے نتائج اور ثمرات اس وقت تک بنی نوع انسانی پر سایہ فگن نہیں ہوسکتیں جب تک کہ تمدن کو حسن اخلاق کے صحیح خطوط پر استوار نہ کیا جائے۔ قوانین عالم اور دساتیر عالم اخلاقیات کی معراج پر پہنچ کر ہی ابر رحمت بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر ہادیان عالم کائنات انسانی میں آئے وہ تمام معلمین اخلاق تھے۔ ان کی دعوت کے ہر پہلو میں محاسن اخلاق کا کوئی نہ کوئی درس ضرور ہوا کرتا تھا۔ پوری کائنات کے لیے دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا معلم اخلاق کے لیے ہی مقرر ہو چکا تھا۔ اسی بناء پر پیغمبر اسلام ﷺ نے بعثت نبوت کے بعد پورے عالم انسانیت کو پیغام سنایا۔

اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو وہ زندہ معجزہ حسن اخلاق عطا فرمایا گیا جس کی بناء پر چلتے پھرتے مُردوں میں جان آگئی۔ حُسنِ اخلاق چونکہ انسانی شمائل و محاسن کا سرچشمہ ہے لہٰذا جس قوم کے اخلاق بلند ہوں گے اس کی دینی و دنیاوی ترقی دوسری اقوام عالم سے بدرجہا بڑھ جائے گی۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ تمام انسانی کائنات ضلالت و گمراہی کے چنگل میں گرفتار ہو چکی ہے اپنے حسن اخلاق سے کام لیا اور کفر و ضلالت پرستوں کا استحصال اس طرح کیا کہ تاریخ مذاہب عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

آپ ﷺ نے ظالم اور گمراہ قوموں کے لیے بددعا نہیں کی بلکہ انسان نما درندوں اور وحشیوں کو زیور تہذیب سے آراستہ کر کے انہیں دنیا کی بہترین قوم بنا دیا۔ سید المرسلین رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے خلاف تلوار اٹھانے والوں سے نہ صرف یہ کہ انتقام نہیں لیا بلکہ کبھی اپنی زبان پر حرف شکایت بھی نہ لائے اور کبھی بددعا کے لیے ہاتھ بھی نہ اٹھائے۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ کفار کے حق میں بددعا فرمائیں تاکہ ان کے وجود بد سے دنیا میں مزید گمراہیاں نہ پھیل سکیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں بددعا کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں۔

اخلاق نبوی ﷺ پر قرآن کی گواہی:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی سیرت کے اخلاقی پہلو اپنے بلیغ انداز میں بیان فرمائے ہیں۔

1- البتہ آپ ﷺ عظیم خلق (بڑے پسندیدہ اخلاق) کے مالک ہیں۔ (القلم)

2- لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ تمہاری بھلائی کے لیے بہت خواہش مند ہیں اور ایمان لانے والوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔ (توبہ 129)

3- اے محمد ﷺ! اللہ کی رحمت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی افتاد طبع (ان لوگوں کے لیے) نرم واقع ہوئی ہے۔ اگر آپ ﷺ بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ پس ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے مغفرت مانگئے اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کیجئے۔ (آل عمران 109)

4- عرب کے بدو اور گنوار بات چیت کے عام آداب سے واقف نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے بلند آواز سے باتیں کرتے اور وقت بے وقت آپ ﷺ کو پکار کر حجرے سے باہر بلا لیتے۔ رسول اکرم ﷺ کی طبیعت ان حرکتوں سے مکدر ہوتی تھی لیکن اپنے حسن خلق کی وجہ سے لوگوں سے کچھ نہ کہتے۔ اس حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگ اپنی آواز رسول خدا کی آواز سے اونچی نہ کیا کریں اور حجرے کے باہر سے پکار کر بلانے کے بجائے آپ ﷺ کے خود بخود باہر آنے کا انتظار کر لیا کریں۔ (سورہ الحجرات)

5- اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو جملہ جہانوں اور عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء-107)

6- البتہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و اطوار میں نہایت اچھا نمونہ ہے۔ (الاحزاب-21)

اخلاق نبوی ﷺ سے متعلق احادیث مبارکہ

1- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کافروں کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں لعنت کے لیے نہیں بھیجا گیا، بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح مسلم)

2- حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ بہترین اور پسندیدہ اخلاق کو پورا کردوں۔ (سنن بیہقی)

3- حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا کہ پیغمبر ﷺ کے اخلاق سے مجھے مطلع کرنا۔ انہوں واپس آکر یہ الفاظ ادا کئے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

4-حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے تو آپؓ نے جواباً فرمایا۔"تمام قرآن آپ ﷺ کا خلق مبارک ہے۔"

5-اہل مکہ کی ایذا رسانیوں کی جب انتہا ہو گئی تو حضور اکرم ﷺ نے یہ خیال فرما کر کہ طائف کا خطہ بہت سرسبز و شاداب ہے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں بھی ایسی ہی تازگی ہوگی اور وہ اس پیغام ہدایت کو جو انسانیت کی بہتری کے لیے لایا ہوں۔بخوشی قبول کریں گے۔آپ ﷺ طائف روانہ ہو گئے۔وہاں پہنچ کر خلاف امید اہل طائف کو سخت اذیت کوش پایا۔ ایک غریب الوطن کے ساتھ یہ برتاؤ کہ قدم مبارک پتھروں کے ضرب سے لہولہان ہو گئے۔راہ چلنا دشوار ہو گیا۔اس وقت حضرت جبریل امینؑ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتے ہیں کہ"حکم ہو تو اہل طائف پر یہ پہاڑ جس کے دامن میں یہ بستے ہیں الٹ دیا جائے۔"ارشاد ہوتا ہے۔"نہیں شاید ان کی نسل میں کوئی اللہ کا ماننے والا پیدا ہو جائے۔" (سیرت ابن ہشام)

6-حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی اور اس دوران آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا یا فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں بہترین خلق کے مالک تھے۔(بخاری و مسلم)

7-حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ"رسول اللہ ﷺ کسی کو برا بھلا نہیں کہا کرتے تھے۔برائی کے بدلے برائی نہ کرتے بلکہ درگزر سے کام لیتے۔"(بخاری و مسلم، ترمذی)

8-مکہ فتح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تمام قصور واروں کو معاف فرمایا۔حالانکہ چاہتے تو ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا"آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔جاؤ، تم سب آزاد ہو۔" (طبقات ابن سعد)

9-حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ایک یہودی عالم تھا۔رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ درہم قرض لے رکھے تھے۔یہودی نے قرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا۔"اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں کہ میں تیرا قرض چکا سکوں۔" یہودی نے کہا کہ میں آپ ﷺ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کر دیں۔ آپ نے وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔آپ ﷺ کے چند ساتھی جو وہاں جمع ہو گئے تھے۔انہوں نے یہودی کو ڈرانے کی کوشش کی۔جب حضور ﷺ کو پتہ چلا۔تو آپ ﷺ نے سختی سے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ"اللہ نے مجھے منع کر رکھا ہے۔کہ میں عہد والے شخص پر یا کسی اور پر ظلم کروں۔چنانچہ آپ ﷺ رات بھر وہیں بیٹھے رہے۔صبح ہوئی تو یہودی نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ اس لیے سختی کی تا کہ دیکھوں کہ تورات میں آپ ﷺ کی جو تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے آپ ﷺ اس پر پورا اترتے ہیں یا نہیں اور وہ صفت کہ اللہ کا آخری رسول محمد ﷺ بن عبداللہ ہے۔وہ بدزبان ہے نہ سخت دل۔بازاروں میں چلا چلا کر بولنے والا ہے نہ بے ہودہ گو۔اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔یہ مال حاضر ہے آپ ﷺ اسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کر دیں۔(سنن بیہقی)

10-عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار تھا۔اس کی منافقت نے بارہا نازک مواقع پر مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور حضور ﷺ کو دلی ایذائیں دیں۔اس کے باوجود جب وہ فوت ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔اس واقع کے بعد وحی نازل ہوئی کہ اللہ منافقین کی بخشش نہیں کرے گا۔(صحیح بخاری)

ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ حسن اخلاق سے عالم کو نوازا جا سکے اور صرف عرب ہی نہیں بلکہ پورے عالم میں انسانیت کی روح کو پھونکا جا سکے اور یہ محاسن اخلاق کا وہ عملی مظاہرہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حضور اکرم ﷺ کی پوری حیات مقدسہ ہی اس حقیقت کا مظہر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ فطری طور پر حسن اخلاق کا مجسمہ تھے۔آپ ﷺ میں حسن اخلاق کی برکتیں اس طرح جھلکتی تھیں جیسے آفتاب کی شعاعوں میں تجلیات۔یہ ایک ایسی معجزانہ قوت و طاقت تھی جو ہر شخص کو آپ ﷺ کے سامنے جھکا دیتی تھی اور آپ ﷺ کی دعوت اسلام کی تاثیر کے جوہر بے پناہ طور پر نمایاں کر دیتی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کو دیکھ کر انصاف پسند مخالفین بھی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔آپ ﷺ نے اہل طائف سے بظاہر درگزر کیا مگر باطنی طور پر حسن اخلاق کا اعلیٰ ترین اور بے مثل مظاہرہ کیا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ تکلیف کہاں پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"طائف میں"

کوئی بھی زمانہ ہو۔تاریخ کا کوئی بھی باب ہو اور تہذیب و تمدن کا کوئی بھی سبق ہو وہ انسان کامل کے خلق عظیم کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دُرود و سلام کی فضیلت و اہمیت

غلامِ رسول شاہد (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

دُعا عبادت کا مغز یا بندگی کا جوہر ہے تو دُرود و سلام دُعا کا جوہر ہے

سورۃ احزاب میں رب کریم کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

''اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر، اے ایمان والو تم بھی خوب درود بھیجو اُس پر اور سَلام بھیجو سلام کہہ کر۔''

عربی میں صَلوٰۃ کا لفظ رحمت، دعا، مدح و ثناء اور درود کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یوں اللہ کی رحمت سے انعام و رحمت فرشتوں کی طرف دعا و مدح اور انسانوں کی طرف حکم ہے۔ کہ وہ بھی حضور ﷺ کے لیے مدح و ثناء اور دعا و سلامتی کے خواہاں ہوں۔

سلامتی سے مراد نقائص و عیوب، مصائب و آفات سے سالم و ثابت اور محفوظ و مامون رہنا ہے۔ سلام بذاتِ خود ایک احسن دُعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عالی مرتبت بنایا اور آپ ﷺ کے ذکر کو بلند فرمایا۔ اذان و اقامت ہو یا نماز یا حج کی پُر سعادت گھڑیاں، جہاں جہاں بھی اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ حضور رسول مقبول ﷺ کے اسمِ بابرکت کا نور ساتھ ساتھ بلند ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے اللہ کے دین کے لیے اپنا تن من دھن سب وقف کر دکھایا۔ عزیز و اقارب اور گھر بار چھوڑا۔ اپنوں سے جنگ کی اور اللہ کے حکم کو مقدم رکھا تو ربّ کریم نے بھی زمین و آسمان میں ہر جگہ آپ ﷺ کا ذکر بلند فرمایا۔ بلاشبہ تمام خلائق میں آپ ﷺ سب سے اعلیٰ و اَولیٰ اور آپ ﷺ کا درجہ بلند و بالا ہے

مقامِ محمود آپ ﷺ کا مقدر، رحمت، شفاعت اور سلامتی آپ ﷺ کی ذات سے مزّین ہے۔ آپ ﷺ نبی ﷺ، احمدؐ و محمدؐ۔ آپ ﷺ سراجؐ منیرؐ، آپ ﷺ بشیرؐ و نذیرؐ، آپ ﷺ مزمّلؐ و مدثرؐ، آپ ﷺ طٰہٰؐ و یٰسینؐ۔ آپ ﷺ حبیب مصطفیٰؐ، آپ ﷺ ناصرؐ و مجتبیٰؐ

دُرود و سلام پڑھنے سے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے ساتھ رشتہ رحمت استوار ہوتا ہے

، آپ ﷺ حامدؐ و محمودؐ، آپ ﷺ شاہدؐ و مشہودؐ ..... صادقؐ و امینؐ، رؤف الرحیمؐ، حق و مبین، طیب و طاہر اور رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔

زمین و عرش پہ ذکرِ مبین آپؐ کا ہے
کہ جس پہ نازاں ہو یزداں وہ دین آپؐ کا ہے
(شاہد)

حدیث شریف ہے کہ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے نبی پاک ﷺ سے درود و سلام کا طریقہ پوچھا اور عرض کیا کہ سلام کا طریقہ تو **السَّلَامُ عَلَيْكَ** ہے تو صَلوٰۃ کا طریقہ فرما دیجئے۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

سبحان اللہ! قربان جائیں ہم اور ہمارا سب کچھ آپ ﷺ کے قدموں پر کہ درود پاک کا طریقہ بھی وہی پسند فرمایا جو سراسر توحید ہے۔ جس میں دعا ہے تو اللہ جل شانہٗ سے اور تقلیدِ درود و برکات ہے تو حضرت ابراہیمؑ کی اور اپنی آل و امت کے لیے وہی دعا ہے جو بنی اسرائیل کے پیغمبروں اور نبیوں کے شایانِ شان اور ان کے لیے مانگا گیا۔ خیر و برکات کا معیار اس سے اعلیٰ و ارفع بھلا کیا ہوگا۔ جو انبیاء کرام کے لیے مختص ہوا ایسی خیر و سلامتی جو حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ یعنی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور حضرت عیسیٰؑ جسے عالی مرتب پیغمبروں پر ہوئی اور جس کی چند ایک مثالیں، حضرت ابراہیمؑ پر نارِ نمرود کا گل و گلزار بن جانا، حضرت موسیٰؑ کی ضربِ کلیمی سے پانی میں راستہ ہموار ہونا اور دشمنی کا فنا ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا اللہ کی حفاظت میں مکان عالی کی طرف رفیع الشان ہونا شامل ہے۔

کیا خوب ہے یہ درودِ ابراہیمیؑ کہ ایک طرف خالص توحید اور بندگی کا مرقع ہے تو دوسری طرف پوری آلِ رسول ﷺ و امت حبیب ﷺ کے لیے خیر و سلامتی کا منبع اور رحمتوں اور برکتوں کا اتھاہ سمندر ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے اسے خود پسند فرمایا اور یہی طریقہ نماز کا حصہ بن گیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی **السلام علیک ایھا النبی** کا طریقہ سلام کے لیے اور **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ** کا مسنون طریقہ درود شریف کے لیے اپنایا۔ مومنین فرش پر اور فرشتے عرش پر آنحضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں

جمہور فقہا کا اتفاق ہے کہ جب کوئی آنحضور ﷺ کا ذکر کرے یا سُنے تو اُس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ ہے:

''بخیل ہے وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے۔''

پس مستحب ہے کہ جتنی مرتبہ رسول کریم ﷺ کا ذکر مبارک آئے دِلی محبت اور ادب و عقیدت کے ساتھ

درودِ مبارک پڑھا جائے۔ مسلم معاشرہ سلامتی کا معاشرہ ہے اور جنت الفردوس میں اہلِ معاشرہ کا کلام "سلام" "سلام" ہوگا۔ حضور پاک ﷺ پر خیر و سلامتی بھیجنے کے تو کیا ہی کہنے! مسلمانوں کا آپس میں سلام کہنا، اللہ کو اتنا پسند ہے کہ سلام کا بدل دس گناہ سلامتی میں رکھا۔ آپس کا سلام باہمی محبت اور اخوت بڑھانے کے لیے اتنا اہم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا اور اسے عام کرنے کا حکم دیا۔ اپنے بارے میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں (یعنی رسول اللہ ﷺ) اُس کے لیے، اُس کے ماں باپ، اولاد اور تمام دوسروں کے مقابلے میں محبوب ترین نہ ہو جاؤں۔

ربِّ ذوالجلال نے سورۃ توبہ کی آیت نمبر 24 میں نہایت واضح انداز میں اس بات کی توثیق و تصدیق اور تنبیہ فرمائی۔

"آپ فرمادیں کہ اگر تمہارے آباواجداد اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور کمائی کے مال اور وہ سودا اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کے مکانات، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا حکم ظاہر کردے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا۔"

نبی کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ صالحین پر سلامتی بھیجنا اور اپنے والدین اور مومنین کے لیے دُعائے مغفرت، نماز میں قعدہ کا لازمی حصہ ہے۔ درودِ پاک کی اہمیت کا ثبوت اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ہوگا کہ نماز جو معراج المومنین اور عین بندگی ہے اس میں نبی کریم ﷺ اور آلِ رسول پر درود و سلامتی ایسے مانگی گئی جیسے آلِ ابراہیمؑ پر۔ کہ دُرودِ ابراہیمی توحید خالص اور وہ بہترین دُعا ہے۔ جسے حضور نبی کریم ﷺ نے خود پسند فرمایا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دُعا کو عبادت کا مغز اور بندگی کا جوہر قرار دیا۔ اور ہمارے نزدیک درودِ ابراہیمی دُعا کا جوہر ہے۔

بقا و فلاح سلامتی کی مرہونِ منت ہوتی ہے اور ازلی و ابدی رحمت و سلامتی کا اصل منبع بلاشبہ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا پوری کائنات کی بقا اور سلامتی، آپ ﷺ کی سلامتی سے ہے۔ جب اللہ سے اُس کے محبوب ﷺ کی سلامتی مانگی جائے تو جواباً کئی گنا سلامتی نصیب ہوگی اور نبی رحمت ﷺ کے ساتھ رشتہ رحمت و برکت استوار ہوگا۔ پس ابدی فلاح و سلامتی کے حصول کا آسان ذریعہ حضور ﷺ سے وفا و محبت ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جس طرح اللہ کا ذکر کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنے سے اللہ کا قرب ولقاءٔ نصیب ہوتا ہے اسی طرح درود وسلام سے نبی اکرم ﷺ کا قرب و

دُرود وسلام فلاح وسلامتی کے حصول کا آسان اور موثر ذریعہ ہے

دیدار ملتا ہے۔ اور جس طرح رجوع اِلی اللہ کا افضل طریقہ ذکرِ الٰہی ہے۔ بعینہٖ نبی کریم ﷺ کی رحمت و شفقت، شفاعت و محبت کے حصول کا آسان طریقہ محبت و عقیدت کے ساتھ درود وسلام بھیجنا ہے۔ جس طرح اللہ کے ذکر سے ایک مومن میں روحانی طاقت اور رحمانی صفات پیدا ہوتی ہیں اسی طرح درود شریف کی برکت سے مومن کے دل میں عفو و درگزر، حلیمی، سلیمی، رؤفی و رحیمی کی صفات جنم لیتی ہیں اور خمیر میں لطافت، صداقت و امانت اور محبت و شرافت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ مومن اللہ کو یاد کرے گا تو اُس کی محبت و صفات کا امین کہلائے گا۔ حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجے گا تو پیکر لطف وشرف بن جائے گا۔ حضور ﷺ کی توجہ میں پرورش پائے گا اور آپ ﷺ کے فیضان سے سرشار رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو جس سے محبت کرے گا۔ قیامت کے روز اُسی کے ساتھ اُٹھایا جائیگا۔ پس مژدہ ہے اُن خوش نصیبوں کے لیے جو نبی رحمت ﷺ کے متوالے ہیں اور دن رات محبوب ربُ المشرقین والمغربین کی یاد اپنے سینوں میں بسائے آپ ﷺ کے حضور درود و سلامتی کے پھولوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ آخرت میں عقیدت و محبت کا یہی ہدیہ حضور ﷺ کے قرب، اُنکی شفقت و شفاعت اور سایہ رحمت کا موجب ہوگا۔ اللہ کے محبوب سے محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہونگے جب محبت سچی ہو تو رشتے امیر ہو جاتے ہیں۔

اس لیے یہ بات یاد رکھیں کہ ذکر الٰہی اور درود شریف کا مقصد اوّلی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں بلکہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ یہ خالص عبادت اور بندگی ہے اور اس کے اصل مقاصد و محاصل اللہ کی رضا اور خوشنودی اور رضائے رسول کریم ﷺ ہے جو انسان کی دائمی فلاح و بقا اور سلامتی کی اصل ضمانت ہے۔ اس لیے ذکر الٰہی اور درودِ پاک کو اللہ کی عبادت اور بندگی سمجھو۔ ربّ العزت سبحان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیحات کی طرح درودِ پاک بھی رب کریم کے اُن احکام میں سے ہے جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر کوئی مسلمان مومن نہیں بن سکتا۔ درودِ پاک کی برکت سے طبیعت کو نرمی، روح کو بالیدگی، نفس کو پاکیزگی اور قلب کو خشیت نصیب ہوتی ہے اور یہی ایمان مکمل کی نشانی ہے۔

اربوں اربوں درود، کھربوں کھربوں سلام نبی رحمت رؤف الرحیم پر کہ درودِ پاک حضور رسولِ مقبول ﷺ کے لیے اللہ کا خاص انعام فرشتوں کی طرف سے اعتراف مقام و مدحِ رسول ﷺ اور ہم عاجز و مسکین بندوں کی طرف سے حد یہ سلام و ثناء ہے

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

کسبِ کمال کی اہمیت آنحضور ﷺ کی نظر میں

محمد حامد کلیم

☆ رسول اکرم ﷺ نے شروع میں تجارت کو بطور پیشہ اپنایا کیونکہ یہ پیشہ نہ صرف مفید ہے بلکہ اور بھی بہت سے اخلاق حسنہ کا حامل ہے۔ انسان اسی کے ذریعے ایک خوشحال زندگی بسر کرسکتا ہے۔ اس میں انسان اپنی بہترین ذہنی اور اخلاقی صلاحیتیں بروئے کار لاتا ہے۔ تجارت میں انسان کی نگاہ وسیع اور دل فراخ ہوتا ہے۔ معلومات بڑھتی ہیں۔ محنت اور کوشش سے رزق حلال سے رغبت ہوتی ہے۔ انسان ایک دوسرے کی نفسیات سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ تاجر کا ہر لمحہ مصروفیت کا لمحہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی قابلِ قدر مصروفیات میں سے چند آرام کے لمحے بھی بمشکل نکالتا ہے۔ یہی وہ عظیم پیشہ ہے جس میں انسان کے دست و بازو بھی مصروفِ کار ہوتے ہیں اور ذہن و فکر بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تاجر ہر موقع پر اللہ ہی کی مدد چاہتا ہے اور اسی سے برکت کی دعا کرتا ہے۔ یوں توکل کی ایک ایسی خوبی ابھرتی ہے جو قابلِ قدر اور قابلِ تقلید ہوتی ہے۔

تجارت کے پیشے کو نہ صرف حضور ﷺ نے بلکہ اکثر صحابہؓ نے اختیار فرمایا اور اپنی دیانت، امانت اور صداقت کی وجہ سے سکون و آرائش سے بہرہ ور ہوئے۔ مسلمانوں نے جب ہجرت کی تو حضور ﷺ نے مواخاۃ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن ربیع (انصاری) کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (مہاجر) کو منسلک کیا گیا سعدؓ خاصے امیر تھے۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو اپنی ہر ملک کے نصف کا حق دار قرار دیا۔ جب انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے اپنا حصہ لینے کی گذارش کی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیا جائے۔ میں اپنی دنیا آپ پیدا کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے قینقاع کے اہم بازار کا راستہ بتا دیا۔ انہوں نے وہاں گھی اور پنیر کی فروخت شروع کردی۔ اس کاروبار سے وہ متمول ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں مٹی میں بھی ہاتھ ڈالوں تو سونا ہوجاتی ہے۔ ان کا سامان تجارت سات سو اونٹوں پر لد کر مدینے آتا تو تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ بھی تجارت فرماتے تھے۔ اسلام میں کسب حلال بھی عبادت ہے اور حضور ﷺ کی متعدد احادیث اس طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ایک مقام پر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص حلال روزی کی تلاش میں تھک کر سو جائے تو وہ ایسی حالت میں سوتا ہے کہ خدا اس سے خوش ہے ایک دوسرے مقام پر فرمان رسالت ﷺ کچھ یوں ہے۔ اگر کوئی شخص اس حالت میں گھر سے نکلا کہ اپنے بچوں کے لیے کوشش کے ساتھ رزق مہیا کرے، وہ خدا کی راہ میں نکلا اور اگر کوئی اس غرض سے نکلا کہ اپنی ذات کے لیے کوشش کرے تو وہ بھی خدا کی راہ میں نکلا، لیکن اگر وہ فخر و نمائش کے لیے نکلا تو شیطان کی راہ میں نکلا۔ گویا حلال کسب معاش عبادت بھی ہے اور جہاد بھی۔ اسلام میں تجارت کی اتنی اہمیت ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص طلبِ حلال کی جدوجہد کرتے ہوئے مرگیا، وہ بخشا جائے گا۔ گویا رزقِ حلال کی تلاش جہاں اپنے اندر عملی عبادت کی روح لیے ہوئے ہے وہاں جہاد کا شرف بھی رکھتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مغفرت کی سند بھی ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے اپنے اوراد و عبادات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ شب و روز عبادت میں مصروف رہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ پھر کھاتا کہاں سے ہے؟ اس نے عرض کی کہ میرا ایک بھائی ہے جو کماتا ہے اور مجھے کھلاتا ہے، خود بھی کھاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تیرا بھائی تجھ سے افضل ہے۔

کسب حلال کے کئی انداز ہیں مگر سب نفع بخش ذریعہ تجارت اور کاروبار ہے اور اسی میں فرمان رسالت ﷺ کے مطابق دس میں سے نو حصے رزق ہے اور تاجر کے بارے میں ایک بصیرت افروز حدیث یوں ہے کہ ”دلیر تاجر خوب کماتا ہے اور بزدل تاجر نقصان میں رہتا ہے۔“ آں حضرت کے جدِ امجد ہاشم بھی تاجر تھے۔ حضرت ابوطالب کا بھی یہی پیشہ تھا۔ آپ ﷺ انہی کے ساتھ تجارتی قافلوں میں سفر کرتے رہے۔ یہ بچپن کا دور تھا مگر جب سنِ بلوغت کو پہنچے تو فکر معاش ہوئی اور آپ ﷺ کو تجارت ہی بہترین پیشہ نظر آیا۔ چونکہ آپ ﷺ صادق اور امین تھے اور آپ ﷺ کو لوگ ایک معتمد انسان سمجھتے تھے اس لیے بہت سے کاروباری لوگ آپ ﷺ کو اپنے کاروبار میں شریک کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ ﷺ مال تجارت لے کر شام، بصرہ، یمن اور بحرین تک جاتے اور اپنی دیانت سے اتنا نفع کماتے کہ لوگ آپ ﷺ کے گرویدہ ہوگئے تھے۔

تجارت میں جہاں راست بازی، حسنِ معاملت، امانت اور دیانت کی ضرورت ہے وہاں ایفائے عہد بھی ضروری ہے۔ گویا ایفائے عہد کے بغیر امانت و دیانت کا کوئی شعبہ بھی نکھر نہیں سکتا۔ ایک

صحابیؓ فرماتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور ﷺ سے کوئی لین دین کیا۔ معاملہ طے ہوگیا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین روز تک مجھ کو یاد نہ رہا۔ تیسرے دن یاد آیا تو اس مقام پر پہنچا اور حیران رہ گیا کہ حضور ﷺ وہیں منتظر تھے۔ مجھے دیکھ کر اتنا فرمایا، تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

تجارت کے دوران حضور ﷺ معاملہ کے اتنے کھرے تھے کہ کبھی کوئی جھگڑا پیش نہ آیا۔ وہ لوگ جو آں حضرت ﷺ کے ساتھ شریکِ تجارت رہے ان کی شہادتیں تاریخ نے محفوظ رکھی ہیں۔ اسی دور میں حضرت خدیجہؓ ایک دولت مند خاتون تھیں ان کی عصمت وعفت اور بلندی سیرت وکردار کا ایک زمانہ معترف تھا۔ وہ تجارت کے ذریعے گزر اوقات کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کی شہرت کے پیشِ نظر انہوں نے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میرا مال لے کر تجارت کی غرض سے شام تشریف لے جایئے۔ حضور ﷺ کی دیانت اور حسنِ معاملت سے حضرت خدیجہؓ اس قدر خوش ہوئیں کہ بعد میں اسی مسرت نے دونوں کو ازدواجی تعلق میں منسلک کردیا۔

گویا حضور ﷺ نے زمانہ قبل نبوت یا دوسرے الفاظ میں اپنے شباب کا دور تجارت ایسے پیشے میں گزارا۔ بعد میں منصب نبوت کے ارفع مشاغل کے پیشِ نظر آپ ﷺ کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ جب تک آپ ﷺ تجارت فرماتے رہے، آپ ﷺ نے ایسی اعلیٰ اور قابلِ تقلید روایت چھوڑیں کہ تاریخ انہیں آج بھی ایک بلند پایہ تاجر کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت یہی ہے کہ وہ دنیا میں رہے اور دنیا کی آلودگیوں سے بچ کر رہے۔ حلال تجارت میں برکت ہے۔ تجارت اور مالی ترقی وفروانی، دنیا پرستی کی دلیل نہیں بشرطیکہ یہ کاروبار انہی خطوط پر ہو جس کی تعلیم عرب کے اس عظیم الشان انسان نے دی جو ہر شعبہ زندگی میں ایک مثال اور نمونہ ہے۔ اگر تجارت کرنا معیوب ہوتا تو قرونِ اولیٰ کے مسلمان یقیناً راہب، دنیا سے بیزار اور نادار ہوتے۔

صحابہ کرامؓ کی اکثریت تجارت پیشہ تھی۔

ان کے پاس اس پیشے کی برکت سے دولت کی ریل پیل بھی تھی مگر وہ اس دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اپنی زندگی کا واحد مقصد سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود ایسے عظیم صحابہ، بہترین تاجرانہ بصیرت بھی رکھتے تھے اور تمول کی فارغ البالیوں سے بھی بہرہ ور تھے مگر ایک کردار ساز انسان کامل ﷺ کی صحبت نے انہیں اس قدر کندن بنا دیا تھا کہ ان کے سامنے انسانیت کا ایک ہی معیار تھا اور وہ اِتّقاء تھا اور اسی اِتّقاء نے ان کی تجارت کو بھی عبادت بنا دیا تھا۔ اور ان کے مال و دولت کو ان کی بخشش کا ذریعہ۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ اللہ کی رضا کے مقابلے میں درہم و دینار اور زر وسیم کو بہتر جاننے کا نتیجہ دوزخ کے بھڑکتے آلاؤ ہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سخاوت سے گناہ یوں محو ہوجاتے ہیں جس طرح سورج کی اولین کرنیں رات کی ظلمتوں کو نگل جاتی ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے بعد بزرگانِ سلف میں بھی

اکثریت ایسے انسانوں کی ہے جن کے نزدیک کاروبار اور تجارت ایک مقدس پیشہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ضیاء الدین، ابن بیطار (حیوانات کا علاج کرنے والا) تھے۔ حضرت عمادالدین نقشبندی خیاط (درزی) تھے۔ حکیم عمر نیشاپوری خیام (خیمہ دوز) تھے۔ شیخ ابوعلی دقاق (آٹا پیسنے والے) ابوبکر بن محمد بن احمد سکاک (لوہار) تھے۔ ابو نصر، صباغ (رنگریز) تھے۔ شیخ فریدالدین عطار (عطر بیچنے والا) تھے۔

آج تجارت کا پیشہ اپنی عظمت کھو چکا ہے

۔ ہر بات میں دھوکہ اور فریب آ گیا ہے۔ ایک تاجر اپنے کاروبار کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھتا ہے۔ سود اور ناجائز منافع اس کے نزدیک شیرِ مادر ہے۔ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے رشوت تک کو جائز قرار دیتا ہے۔ ہر بات پر غلط قسمیں کھانا اس کا روزمرّہ ہے۔ خیانت اس کا دستور اور وعدہ خلافی اس کا معمول ہے۔ ہر لحظہ اس کی نظر اسی بات پر ہوتی ہے کہ کب اور کیسے دھوکہ دے کر نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آج کا تاجر بھول جاتا ہے آج سے کئی سو سال پہلے رسول پاک ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا وہ اس قابل ہے کہ اُسے زندگی کا دستور بنالیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ جس قوم نے بھی ترقی کی، اس نے انہی سچائیوں کو اپنایا جنہیں اسلام نے پیش کیا تھا۔ ہم اگر ذلیل ورسوا ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم اس سانچے کو توڑ چکے ہیں جو حضور ﷺ نے ہمارے لیے تیار فرمایا تھا۔

کسبِ معیشت میں دیانت دارانہ تگ ودو بہت اہم ہے۔ بہت سے انبیائے کرامؑ تلاش معاش، کسبِ حلال اور جہد وعمل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ حضرت ادریسؑ خیاطی کو اپنائے ہوئے تھے۔ حضرت لوطؑ کاشت کار تھے۔ حضرت داؤدؑ زرہ ساز تھے۔ حضرت نوحؑ کا پیشہ نجاری تھا اور خود رسول اکرم ﷺ نے شروع میں شبانی (چرواہا) اور بعد میں تجارت کی اور بطور پیغمبر آپ ﷺ نے ہر مقام پر کسبِ حلال پر زور دیا۔ اور تجارت میں امانت دیانت کو ضروری جزو قرار دیا۔ آپ ﷺ ہی کا فرمان اقدس ہے۔ ''عبادت کے ستر جزو ہیں اور ان میں افضل ترین جز کسبِ حلال ہے۔''

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

وہ کون سا نظام ہے جو دنیا نے آزما کر نہیں دیکھا اور وہ کون سا طرز حیات ہے جو اہلِ دنیا نے اپنا کر نہیں دیکھا مگر حاصل کیا ہے؟ انسانیت کی بے قدری، ایک دوسرے سے بیگانگی، نری خشکی اور محض برہمی، انسانی دنیا اگر فی الواقع خلوص دل سے یہ چاہتی ہے کہ وہ مزید ٹھوکروں سے بچ جائے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ وہ اپنا بستر اس گلی میں لگا دے جس کوچے کا ہر گدا شکوہ قیصری رکھتا ہے۔

☆ 12 ربیع الاول کو صرف ظہورِ قدسی ﷺ نہیں ہوا بلکہ عالم نو طلوع ہوا، اس تاریخ کو نہ یہ کہ حضور ﷺ نے جہانِ خاکی میں قدم رکھا بلکہ تاریخِ عالم نے نئے سفر کا آغاز کیا اس روز ایک ماں نے سعادت مند بیٹے کو جنم دیا بلکہ مادر گیتی نے ایک انقلاب کو جنم دیا، اس دن محض آمنہؓ کا گھر منور نہیں ہوا بلکہ تیرہ و تار خاکدان ہستی روشن ہوا، جس کے قدم رنجہ فرمانے سے زندگی پر شباب آ گیا، اور صدیوں سے دیکھے جانے والے خواب کو تعبیر مل گئی ،اس کی بارگاہ کی نسبت سے زمینِ ارجمند اور اس کی پائے گاہ کے بوسے سے آسماں بلند ہو گیا اس کی تاب رو سے شش جہت کائنات کو روشنی ملی اور اس کے حلقہ مو میں حیات منتشر کو آسودگی نصیب ہوئی۔

آپ کی تشریف آوری سے دنیا کو شرف انسانی کا حقیقی اندازہ ہوا، ورنہ اس سے پہلے حضرت انسان کو دوسری ہر چیز کی عظمت و شوکت کا احساس تھا لیکن وہ اپنی حرمت اور اپنے مقام سے بے خبر تھا، اس بے خبری کے نتیجے میں وہ سورج، چاند اور ستاروں کی چمک سے مرعوب ہو کر انہیں معبود بنائے ہوئے تھا، پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی گہرائی سے متاثر ہو کر انہیں خدا کا درجہ دیئے ہوئے تھا، راجوں، مہاراجوں، نوابوں، سرداروں، شاہوں اور رہبانوں کی جلالت و حشمت سے مسحور ہو کر انہیں اللہ کا اوتار مانے ہوئے تھا انسان اتنا دبا ہوا تھا کہ ہر ابھرتی چیز کے سامنے جھک جاتا تھا، اتنا ڈرا ہوا تھا کہ ہر ڈراؤنی شئے کی بندگی پر آمادہ ہو جاتا تھا اتنا سہما ہوا تھا کہ ہر ایک کا زور اس پر چلتا تھا، اتنا سمٹا ہوا تھا کہ اسے اپنی وسعت کا ادراک ہی نہ ہو سکا، اتنا مبہوت تھا کہ جن بھوت اس کے سجدوں کے حق دار قرار پائے، اتنا گھٹا ہوا تھا کہ اس بے قراں کائنات میں سانس لیتے ڈرتا تھا، اور اتنا جکڑا ہوا تھا کہ ہر نئی زنجیر کو اپنے لیے تقدیر سمجھتا تھا، حضور ﷺ نے آ کر اسے بتایا کہ تیری حرمت کعبے سے افضل ہے، تیری ذات رازِ الٰہی ہے، تیری تخلیق حرف ”کن“ سے نہیں خاص دست قدرت سے ہوتی ہے، تو امانت الٰہی کا حامل ہے، تجھے ارادہ و اختیار کا وصف عطا کیا گیا ہے، تو اپنے ذرہ ہستی میں صحرا ہے، اور قطرۂ وجود میں قلزم ہے، حضور ﷺ کی اس تعلیم اور خود آگہی کے اس درس کا یہ نتیجہ نکلا، کہ جو انسان پہلے مٹی کے مادھو (بت) کے سامنے سمٹا ہوا ہوتا تھا آج اس کی ہیبت سے پہاڑ سمٹ کر رائی بنے ہوئے ہیں، جو انسان مورتیوں، بھوت پریتوں اور واہموں کے خوف سے نیم جان تھا اب صحرا و دریا اس کی ٹھوکر سے دو نیم ہوئے جا رہے ہیں، جو انسان دیوی دیوتا کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہتا تھا آج وہ ”یزدان بکمند آور“ کا نعرۂ مستانہ لگاتا نظر آتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ کائنات کا اعتبار ہو کہ انسانیت کا وقار، یہ سب کچھ صاحب لولاک ﷺ کے دم قدم سے ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اور بعثت با کرامت سے پہلے ہی معمورۂ ہستی جہان خراب کا منظر پیش کر رہا تھا، یونان اپنی عظیم الشان تہذیب کے کھنڈر پر یکہ و تنہا کھڑا آنسو بہا رہا تھا، اور اہل یونان اس کھنڈر کے ملبے تلے دبے ہوئے کراہ رہے تھے، یونانی حکماء نے اپنے فلسفہ کے زور پر ہر مسئلہ حل کرنا چاہا، اس دور کا یونان فلسفیوں سے بھرا پڑا تھا، یہ ارشمیدس، یہ اقلیدس، یہ بطلیموس، یہ سقراط، یہ بقراط،

یہ ارسطو یہ افلاطون جس طرف نگاہ اٹھتی، فلسفیوں کی قطار بندھی نظر آتی ہے مگر حقیقت پھر وہی ہے جو حکیم الامت اقبالؒ نے کہی ہے۔

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ہوا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

یونان کی چمکتی دمکتی اکیڈمیوں نے اندھیرا اور گہرا کر دیا، یہ دنیا منور ہوئی تو غار حرا کے گوشے سے طلوع ہونے والے آفتاب نبوت سے ہوئی۔

رومتہ الکبریٰ کے قیصر اور فارس کے کسریٰ بھی انسانیت کی پیٹھ پر بوجھ ہی رہے، اگر کسی نے آ کر انسان کو سبکدوش کیا تو آغوش آمنہؓ کے پروردہ نے کیا، یہ فغفور و خاقان انسانیت کے لیے تاوان ثابت ہوئے، دنیا کو امان ملی تو پیغمبر ﷺ کے گوشۂ دامان میں نصیب ہوئی، شاہی قبا و عبا انسانی آبادی کے لیے وبا نکلی، وہ کالی کملی تھی جو گرفتاران بلا کے لیے **نسخہ** شفا بنی، بادشاہوں کی وسیع سلطنتیں اپنے باشندوں کے لیے سخت اور تنگ شکنجے تھے جب کہ یتیم مکہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی دنیا بھر کے مظلوموں کے لیے اپنے اندر افلاک کی وسعتیں رکھتی تھی، حبش سے آنے والے، روم سے آنے والے، فارس سے آنے والے، اور نجد سے آنے والے آتے گئے اور سماتے گئے، ارقم کے چھوٹے سے گھر میں بحر و بر سمٹ گئے۔

آج ہر آن پھیلتی ہوئی کائنات میں پھر سے تنگی کا احساس ہونے لگا ہے سائنس کی بے کرانی میں دم گھٹنے لگا ہے، سیلائٹ مریخ و مشتری کو گرفتار کرنے کے مشن پر ہیں مگر بدقسمت انسان ہوائے نفس کا اسیر ہو رہا ہے، نیو ورلڈ آرڈر کے پردے میں قبائے انسانی چاک ہوتی نظر آ رہی ہے۔ ''انٹرنیشنل ویلیوز'' کے چکر میں انسان اپنی رہی سہی قدر کھو رہا ہے۔

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے بڑی خوبصورت بات کی ہے۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے، ان کے در پر پڑے رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

واقعہ یہ ہے کہ آج کا ''بوعلی'' غبار ناقہ میں گم ہو کر رہ گیا ہے، کوئی ''مجنوں'' ڈھونڈھا جائے جو ''محمل لیلیٰ'' کو پا سکے، یہ مجنوں یورپ کی دانش گاہوں میں نہیں ملیں گے، غبار راہ حجاز کو آنکھوں کا سرمہ بنا کر دیکھا جائے تو شائد کہیں مجنوں نظر آ جائیں۔

وہ کون سا نظام ہے جو دنیا نے آزما کر نہیں دیکھا اور وہ کون سا طرز حیات ہے جو اہل دنیا نے اپنا کر نہیں دیکھا مگر حاصل کیا ہے انسانیت کی بے قدری، ایک دوسرے سے بیگانگی، نری خشکی اور محض برہمی، انسانی دنیا اگر فی الواقع خلوص دل سے یہ چاہتی ہے کہ وہ مزید ٹھوکروں سے بچ جائے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ وہ اپنا بستر اس گلی میں لگا دے جس کوچے کا گدا شکوہ قیصری رکھتا ہے، اس گلی کے پھیری لگانے والے اپنے سر میں سکندری کا سودا سمائے رکھتے ہیں، یہ بند اور اندھی گلی نہیں اس کا ایک سرا دنیا اور دوسرا عقبیٰ ہے، دربار شہی میں وہ عزت نہیں ملتی جس قدر اس گلی میں عزت نفس کا احساس نصیب ہوتا ہے کیوں کہ حضور ﷺ انسانیت کی آبرو بڑھانے تشریف لائے تھے، جو آبرو حضرت انسان کو ملی وہ بھی ان کے کرم سے ملی اور جو آبرو آج ملے گی ان کے دم سے ملے گی، غالب نے تو کہا تھا۔

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

یہ تو غالب کے عشوہ طراز معشوق کا شیوہ تھا مگر محبوب خدا ﷺ کا عالم تو یہ ہے، کہ

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی سے جائے کیوں؟

''میں'' اور ''سے'' کے فرق کو اہل نظر خوب جانتے ہیں۔

نعت شریف

نمی دانم چہ منزل بُود، شب جائے کہ مَن بودم
بہر سُو رقصِ بسمل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم
پری پیکر، نگارے سَرو قدّے، لالہ رُخسارے
سراپا آفتِ دل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم
رقیباں گوش بر آواز اُو در ناز و مَن ترسال
سخن گفتم چہ مشکل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم
خُدا خُود میرِ مجلس بُود، اندر لامکاں خسرو
محمد ﷺ شمعِ محفل بُود، شب جائے کہ مَن بُودم

﴿ مجھے کچھ خبر نہیں کونسی منزل تھی جہاں کل رات میں تھا۔ ہر طرف آپکے عشق کے متوالے بسمل کی طرح اس منزل میں تڑپ رہے تھے۔ ﴿ حور کا سا چہرہ اور سَرو جیسے قد کا محبوب جس کے رخسار لالہ کی طرح دمک رہے تھے۔ میرے دل کے لیے سراسر آزمائش بنے ہوئے تھے۔ اس منزل میں جہاں کل رات میں تھا۔ ﴿ میرے حریف اس کی آواز پر ناز کے ساتھ کان لگائے ہوئے تھے اور میں ترس رہا تھا۔ کیا بات بتاؤں، رات میں جس منزل میں تھا اسکی کیفیت بیان کرنا بیحد مشکل ہے۔ ﴿ خسرو خُداوند قدوس خود اس مجلس کے سربراہ تھے جو لامکاں کے اندر تھی، اور محمد ﷺ اس محفل کی روشنی کا منبع تھے جس محفل میں رات میں تھا۔

(طوطی ہند حضرت امیر خسروؒ دہلوی)

نماز جمعہ کی فضیلت

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ہو سکے صفائی و پاکیزگی کا اہتمام کرے اور جو خوشبو اس کے گھر میں ہو وہ لگائے پھر وہ گھر سے نماز کے لیے جائے اور مسجد میں پہنچ کر احتیاط کرے۔ جو دو آدمی ساتھ بیٹھے ہوں ان کے درمیان میں زبردستی نہ بیٹھے اور جو نماز یعنی سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں ہوں پڑھے اور جب امام خطبہ دے، تو توجہ اور خاموشی سے سنے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان اس کی ساری خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔

سرورِ دو عالم ﷺ اور تربیتِ روحانی

تحریر: حاجی فضل احمد

☆ اسلام ایک چمنستان ہے، جس میں رنگ رنگ کے پھول اور قسم قسم کے پودے پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ ہر قابلیت اور ہر استعداد اسلام میں آ کر پروان چڑھتی ہے جسمانی اور روحانی تمام قوتیں اسلام میں تربیت پاتی ہیں اور اپنا مقام حاصل کرتی ہیں۔

اسلام میں تعطُّل اور بیکاری کا مفہوم

جو مادیت، روحانیت سے نا آشنا ہے اس کے نزدیک تعطل اور بیکاری اعضائے جسم کا اسباب معیشت میں دخل نہ دینے کا نام ہے، لیکن اسلام جو روحانیت کا علمبردار ہے اور جس کا حقیقی کارنامہ روحانی قوتوں کو بیدار کرنا اور انہیں عامل و شاغل بنانا ہے۔ اس کے نزدیک حقیقی تعطل اور اصل بیکاری، قلبی قوتوں اور ذہنی حواس کو اپنے مبدأ و معاد کے فکر اور خفی و جلی ذکر سے محروم رکھنے کا نام ہے قرآنی اصطلاح میں غفلت اسی کا نام ہے۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجهر من ...... (سورہ اعراف)

"اور ذکر کر اپنے پروردگار کا اپنے جی میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا دھیمی آواز سے صبح و شام اور نہ ہو غافلوں میں سے۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"اور روکے رکھ نفس اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح اور شام طالب ہیں اس کے دیدار کے اور نہ دوڑیں آنکھیں تیری ان کو چھوڑ کر طرف رونق زندگانی دنیا کے اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے۔" (کہف: ۲۸)

اسی واسطے قرآن کریم میں جہاں مشاغل دنیوی میں مصروفیت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں غفلت کی نفی کے بیان کو لازم و ملزوم کی طرح لایا گیا ہے۔

"وہ مرد ہیں جن کو تجارت اور خرید و فرخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔" (النور)

"اے ایمان والو! تمہارے مال و متاع اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔" (المنافقون)

اسلام میں بشریت کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں اور پورا کرنے کا حکم بھی ہے، لیکن ذکر الٰہی سے غفلت ہر حال میں حرام ہے۔

نفس پرستی کی انتہا ہو چکی ہے۔ نفس کے تقاضے پورے ہونے کی بجائے حد سے متجاوز ہو چکے ہیں اور حرص و ہوا، حُبِ دنیا، ذوق پرستی قلبی جرائم اتنے عام ہو چکے ہیں کہ ان کیخلاف بولنا خواص نما عوام کی نظروں میں ایک جرم ہے کیونکہ یہ اعمال ایسے ہیں کہ ہر امیر غریب، تعلیم یافتہ، ان پڑھ ان کا شیدائی ہے اور ان کی مذمت کسی کو گوارا نہیں۔ بلکہ الٹا کثرت ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات کو رہبانیت کہہ دیا جاتا ہے۔

رہبانیت کے متعلق لوگوں کا مغالطہ اور اسکے حقیقی معانی کی تصریح

رہبانیت کا ذکر قرآن کریم ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی مذمت نہیں فرمائی۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ عیسائی خدا پرستوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے رہبانیت کو اختیار کیا ہم نے ان پر یہ مشقت فرض نہ کی تھی انہوں نے از خود اپنے ذمہ لی، لیکن وہ اس کو نباہ نہ سکے اور اس کے حقوق کی نگہداشت نہ کر سکے۔

"اور رکھ دی اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی اور دنیا چھوڑنا انہوں نے نیا نکالا ہم نے ان پر فرض نہ کیا تھا مگر چاہنے کو رضا مندی کی (انہوں نے اختیار کی) پھر نہ نبھایا اس کو جیسا چاہیے نبھانا پھر دیا ہم نے ان کو جو ان میں ایمان دار تھے۔ ان کا نیک اجر اور بہت ان میں بے حکم ہیں"۔ (الحدید)

لیکن دھوکے پر دھوکا یہ لگا ہے کہ نفسی ریاضت کے جتنے کام اسلام میں فرض ہیں ان سب کی کثرت اور ان میں کامل اشتغال کو شیطان نے رہبانیت ظاہر کر دیا اور وسوسہ شیطانی کو جلدی سے قبول کر لینے والے دماغ بھی ادھر متوجہ ہو گئے اور رہبانیت کو ایسا مذموم سمجھا کہ تبتل عن الخلق اور کامل توجہ الی اللہ اور ذکر و فکر میں استغراق کو رہبانیت کہہ کر مردان کامل کو صراط مستقیم سے منحرف سمجھ کر ان کے فیض سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے نفسی مجاہدہ فرض ہے اور خدا کی طرف راستہ بھی مجاہدہ ہی سے ملتا ہے۔

ہاں! اگر کوئی بندۂ خدا سرورِ دو عالم ﷺ کی اتباع اور اپنی حیات کا حقیقی مقصد پورا کرنے کے لیے عبادتِ خداوندی اور ذکرِ الٰہی میں استغراق پیدا کر کے مشاغل دنیوی سے وقتی طور پر دست کش ہو جاتا ہے چاروں طرف سے اسے رہبانیت کے طعنے دیئے جاتے ہیں اور عالم و جاہل دونوں اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے" اس میں شک نہیں کہ رہبانیت اسلام کے ارکان سے نہیں جیسا کہ عیسائی مذہب کا حصہ ہے، لیکن کیا اسلام میں کثرتِ ذکر بھی نہیں؟ تبتل عن الخلق بھی نہیں۔ وتبتل الیه تبتیلا (اور کٹ جا اس کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کٹ جانا اور گوشہ نشینی بھی اسلام میں نہیں ہے اور کیا صرف اسی تبتل، گوشہ نشینی اور خالق کی طرف دل و جان سے متوجہ ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا

"جن لوگوں نے ہم میں یعنی ہماری ذات کے انوار کے حصول کے لیے مجاہدے کئے ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔"

مجاہدہ شرط راہ ہے اور اس کے بغیر کسی بشر پر اسرار الٰہی کھلنا اور انوار الٰہی کا قلب پر برسنا بیحد مشکل ہے اور قرآن کریم جو نور مبین ہے اور عالم غیب کے رموز کا ایک بحرِ بے کراں ہے۔ اس کا سمجھنا بھی ذکر کثیر، تبتل اور ریاضت کے بغیر مشکل ہے بعض لوگ صرف الفاظ اور ان کے معانی یاد کر لینے پر اکتفا کرتے

ہیں اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ گویا انہوں نے قرآن حقائق حاصل کر لیے ہیں۔ حالانکہ قرآنی حقائق حاصل کرنے کے لیے تقویٰ، طہارت اور ذکر کثیر کی بے انتہا ضرورت ہے جب تک اعمال ظاہر و باطن سے قلب کا آئینہ صاف نہ ہو لے قرآنی حقائق دل پر منطبق نہیں ہوتے اور آئینہ دل صاف کرنے کے لیے ذکر فکر اور تجتل عنا الخلق اور ایسے مجاہدات نہایت ضروری ہیں اور لا رھبانیۃ فی الاسلام (رہبانیت اسلام میں نہیں ہے) کے معانی کو وسعت دیکر سہل انگار اور عافیت پسند مسلمانوں نے ریاضت اور مجاہدہ کو یک قلم چھوڑ دیا ہے بلکہ فرائض واجبات تک کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی تمام اسباب عالم مل کر بھی نہیں کر سکتے اور ایمان و مشاہدہ کا حقیقی کام قلوب کا مسخر کرنا ہے۔ مادی قوتیں مادی قوتوں کو مسخر کر سکتی ہیں قلوب کو مسخر نہیں کر سکتیں۔ اگر مادی قوتوں کے ذریعے مسلمان ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑے ہو بھی گئے تو ان کی صد ہا سال کی کوششوں سے حاصل کردہ بے پناہ مادی قوتوں سے سبقت لے جانا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر ایسا ہو بھی جائے اور موجودہ زمانے میں مسلمانان عالم مل کر اور متحد ہو کر پوری جانبازی سے تسخیر عالم کر بھی لیں تو یہ مسلمانوں کی برتری ہوگی اور مسلم قوم سرفراز ہو جائے گی، لیکن یہ اسلام کی کون سی خدمت ہوگی؟ مذاہب عالم پر اسلام کی برتری یہ ہے کہ دنیا کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنایا جائے اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرایا جائے اور حیات آخرت کے لیے بنی آدم کو تیار کیا جائے۔ عیش پسندی اور خواہشات کی غلامی سے انسانیت کو نجات دلائی جائے۔ کیونکہ عشرت کوشی اور خواہشات کی غلامی سے سرکشی بڑھتی ہے ایسا انسان حیات آخرت کیلئے تو کیا تیاری کرے گا وہ تو دنیا کے مختصر سفر میں بھی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر مسلمان رسالت کے حقیقی سرمایہ یعنی اللہ کی دوستی اور آخرت طلبی کو دنیا کے سامنے پیش کریں تو جنگ و جدل اور باہم دشمنی سے تنگ آئی ہوئی دنیا اور عیش و عشرت سے اور نفس پرستی سے پریشان حال دنیا اور سلامتی کے راستے کے خلاف چل چل کر تھکی ماندی دنیا یقیناً مسلمانوں کی راہنمائی قبول کرے گی اور اگر مختلف اقوام عالم نے قرآنی حقائق اپنا لیے اور امن اور سلامتی کا راستہ پالیا تو انسانیت فوز عظیم حاصل کر لے گی۔ اس حال میں مسلمان بھی اپنا صحیح مقام حاصل کر لیں گے اور اسلام بھی سرفراز ہوگا۔ اسلام اور مسلمان حقیقی معنوں میں کامیاب ہوں گے۔

سبق پھر پڑھ محبت کا صداقت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی
نوا پیدا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا کر

افسوس کہ بعض لوگوں کو نفس نے دھوکا دیا اور ان کا خیال حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کے ڈانڈے پر گامزن ہوا۔ اور حقیقت نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

علم و فنونِ اسلامی جو صرف جسمِ اسلام کی حفاظت کے لیے وجود میں آئے تھے اور اس کے لیے لوگوں نے زندگیاں وقف کیں۔ طالب علموں نے گھر بار چھوڑے اور چودہ چودہ سال تک حصولِ علم میں لگے رہے ان کی ہمت پر آفریں کے نعرے بلند ہوئے اور ان کے راستوں میں فرشتوں نے پر بچھائے، جب یہ فارغ التحصیل ہوئے تو درس و تدریس کی مسند پر بیٹھے مسلمانوں کو حدود شرعیہ بتلائیں اور حلال و حرام کی تمیز سکھلائی اور فتویٰ کی کرسی کو زینت بخشی الحمدللہ کہ ان کی کوششوں سے اسلام کے جسم کی خوبصورتی برقرار رہی۔ لیکن اگر یہی لوگ روح اسلام کا انکار کر دیں اور اس کے حصول کے طریقہ روشن کو حقارت سے دیکھیں تو کس قدر............ ہے۔

روح اسلام، تعلق باللہ اور محبت الٰہی

علم دین، دین کا جسم اور اس کا حسن ہے۔ روح اسلام تو کچھ اور ہے۔ روح اسلام، محبت الٰہی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا ہے جس کے لیے علوم و فنون سے زیادہ تقویٰ طہارت کی ضرورت ہے اور ذکر فکر کے ذریعے یہ روح اعظم پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے زیادہ کامل مرشد کی ضرورت ہے۔ جیسے استاد کے بغیر کوئی علم پڑھا نہیں جا سکتا اسی طرح تعلق باللہ بغیر وسیلہ شیخ کامل قائم نہیں ہو سکتا۔ کامل پیر کے بغیر تمام استعدادیں دبی کی دبی رہتی ہیں اور معرفت الٰہی میں کوئی قدم نہیں اٹھتا، لیکن جب ذکر و فکر سے اور کامل مرشد کی راہنمائی سے یہ روح اعظم پیدا ہوگئی تو سب مشکلات حل ہوگئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محبت الٰہی اور تعلق باللہ کی روح جس قدر زیادہ طاقت ور ہوگی اسی قدر آسمان سے برکتیں نازل ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برسیں گی۔ جب اس روح اعظم کا حصول مقصود حیات نہ رہا اور صرف علوم و فنون کا خالی خولی جسم رہ گیا جو روح کے بغیر کیسے سلامت رہ سکتا ہے تو اس کے قیام کا کیا فائدہ۔ زمین کا پانی بھاپ بن کر اگر آسمان کی طرف نہ جائے تو بارانِ رحمت کیسے برسے (گویا دنیوی اسباب بھی جاذب، رحمتِ الٰہی ہیں)

بالکل اسی طرح اگر عبادت اور ذکر و فکر اور محبت کے انوار قلوب کی گہرائیوں سے نورانی شعلے بن کر آسمان پر نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی نصرت، اطمینان، عزت، کامرانی اور وقار کی صورت میں کیسے نازل ہو۔ سرور دو عالم ﷺ کو اسلام کا جسم بھی بنانا تھا۔ اسے حسن کے زیور سے بھی آراستہ کرنا تھا۔ جسم اسلام اور اس کا حسن شریعت حقہ اور اس کے احکام ہیں اور اس مقدس جسم میں جان بھی پیدا کرنا تھی وہ روح اسلام تعلق باللہ، محبت خداوندی اور معرفت الٰہی ہے۔ اسی مقصد عظیم کے لیے حضور ﷺ نے خوش نصیب لوگوں کے قلوب کی دنیا آباد کی۔

سرورِ کائنات کی روحانی تربیت کے جداگانہ نتائج

حضور سرور دو عالم ﷺ نے اپنا مقدس نمونہ دکھا کر ہر قسم کے اہلِ کمال پیدا کیے اور جس شخص میں جو جو استعداد تھی بروئے کار لائے۔ اسلام کا خوبصورت جسم ایمان و احسان کی روح سے آراستہ اور

مکمل ہوا۔ ابوبکر صدیقؓ کا صدق وصفا اور اخلاص و محبت حضور ﷺ کی محبت میں پروان چڑھے۔ اتباع رسول اللہ ﷺ کا رنگ ایسا غالب ہوا کہ صحابہؓ نے سرورِ دو عالم ﷺ کا ہو بہو نقشہ اسی یار غار میں دیکھا اور وصال سرورِ کونین ﷺ کے بعد متفقہ طور پر صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی مسند مبارک پر بٹھایا جس سے ظاہر شریعت کو دولتِ حسن ملی اور باطن اسلام کو نورانیت۔ طریقہ نقشبندیہ کی ابتدا حضرتِ صدیق اکبرؓ سے ہوئی اور یہ طریقہ تصوف تمام طرق میں اُسوۂ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں شریعت اور طریقت دونوں یکساں تربیت پاتے ہیں۔

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہو سنا کے نداند جام و سنداں باختن

حضرت عمر بن الخطاب نے عدل و انصاف اور شجاعت و تدبر کا میدان جیتا اور شرح صدر اور تعلق باللہ کی وہ بلندی پائی جو فاروق اعظمؓ کی شان کے شایاں تھی۔ ظاہر تدبیر کے ساتھ ساتھ باطن کی نظریں سینکڑوں میل پر فوجوں کی راہنمائی کرتیں اور انہیں حوادث سے بچاتیں۔ ایران کی حدود میں جناب ساریہؓ کی کمان میں اسلامی فوج کفر کی فوج سے نبرد آزما ہے۔ دشمن نے جنگی چال چلی اور پہاڑی کی دوسری جانب سے مڑ کر بے خبری میں مسلمان فوج کے عقب پر حملہ کرنا چاہا۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ نگاہِ مردِ کامل نے بُعد مکان کے پردوں کو جلا دیا اور عین خطبہ جمعہ میں پکار اٹھے یا ساریۃ الجبل الجبل جناب ساریہؓ اس مانوس آواز سے متنبہ ہوئے۔ پہاڑ کا جائزہ لیا اور دشمن کی چال سے واقف ہو کر ان کے دفعیے کا انتظام کیا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کا حیا اور حلم، راہِ خدا میں مال کی قربانی اور ظاہر و باطن کی بے شمار عالی صفات ایسی ہیں جن سے سرور کائنات کے دربار میں اتنا قرب حاصل کیا کہ صلح حدیبیہ کے دن جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے بیعت لی۔ حضرت عثمانؓ حضور ﷺ کی سفارت میں مکے گئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک کو عثمانؓ کا ہاتھ فرمایا اور انکی طرف سے بیعت لی۔ اور اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے تربیت سید الانبیا ﷺ سے ظاہر باطن کے وہ مراتب حاصل کیے کہ اسد اللہ الغالب کہلائے اور طریقت میں مدینۃ العلم کے دروازے بنے۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا (حدیث نبوی ﷺ) ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔'' اور تصوف کے تین طریقے قادری، چشتی، سہروردی کی نسبت آپؓ سے قائم ہوئی ہے۔

تربیت کے اور نتائج

حضور سید الانبیا ﷺ کی تربیت میں جو بھی آیا اس نے اپنا درجہ اور مقام حاصل کر لیا اس تربیت کا ایک حصہ وہ ہے جو اصحابِ صُفّہ کو ملا۔ صُفّہ ایک چبوترا تھا جو مسجد نبوی کے شمالی جانب بنایا گیا تھا جو اب بھی روضہ مبارک کی شمالی جانب قائم ہے اور اس پر ہر وقت تلاوت کلام اللہ شریف ہوتی رہتی ہے۔

بہت سے صحابہ کرامؓ ایسے تھے جن کا کام عبادت الٰہی اور خدمتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کچھ نہ تھا ہر وقت ذکر و فکر میں مصروف اور انوارِ الٰہی کے حصول میں مستغرق اور دیدار حبیب خدا ﷺ میں مخمور رہتے تھے۔

ان کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہتی رہی اور جوش محبت میں بھرے ہوئے سینے لیکر یہ حضرات دعوت اسلام کے لیے مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے رہے۔ غزوہ معونہ میں انہیں حضرات میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لیے بھیجے گئے ان کی گذر اوقات سرورِ کونین ﷺ کی نوازشات پر تھی۔ جب صدقات میں سے کوئی چیز دربار رسالت میں پیش ہوتی تو وہ پوری کی پوری ان کے پاس بھیج دی جاتی اور یہ حضرات آپس میں بانٹ لیتے اور اگر دعوت کا کھانا وغیرہ آتا تو حضور ﷺ ان سب میں بیٹھ کر تناول فرماتے۔ بعض ان میں جنگل سے لکڑیاں لاتے اور بیچ کر اپنے بھائیوں کیلئے کھانا مہیا کرتے۔ ان کا لباس فقیرانہ، غذا درویشانہ، نہ ملنے پر بھی صابر و شاکر، کئی کئی دن فاقے بھی آ جاتے۔ لیکن اس درویشی پر قانع اور صحبتِ حبیب خدا ﷺ کے ہمیشہ دلدادہ اور یہی ان کی روحانی غذا تھی۔ دنیا سے کامل بے نیازی کے ساتھ اور پورے انقطاع کے ساتھ قربِ خداوندی کی تلاش میں ذکر و فکر اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اور خانقاہی صورت کے لیے سنگِ بنیاد بن کر تزکیہ نفس میں لگے رہتے۔

صوفیائے کرام اور انکی مقدس خانقاهیں

صوفیائے کرام کا طرزِ زندگی عین سرورِ دو عالم ﷺ کی طرزِ زندگی کا نمونہ ہے اور خصوصاً اصحاب صُفہ کے ساتھ سرورِ دو عالم ﷺ کی جو نوازشات تھیں اور جس طرز سے حضور ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی تھی۔ بعینہٖ وہی نمونہ خانقاہ کی زندگی کا ہے۔ شیخ طریقت، سرورِ دو عالم ﷺ کی نیابت میں مربی کے فرائض انجام دیتا ہے اور درویشانِ خدا کو جو ملے اسی پر صابر و شاکر رہ کر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور منازل قرب الٰہی طے کرتے ہیں اور یہی مقدس خانقاہیں تھیں جن کے فیض سے جنید بغدادیؒ، بایزید بسطامیؒ، علی ہجویریؒ، خواجہ اجمیریؒ اور مجددؒ الف ثانیؒ جیسی ہستیاں تربیت پا کر نکلیں اور یہی حضرات صوفیائے کرام ہیں جو انبیاءؑ کی زندگی عملی کا نمونہ ہیں تسخیر قلوب کی جو قوت انبیاءؑ کے سینوں میں ودیعت رکھی جاتی تھی اور دین کی اشاعت میں زبانی اور کتابی تبلیغ سے ہزار ہا درجہ زیادہ حصہ اس مخفی قوت کا ہے۔ بس اسی قوتِ خداداد سے صوفیائے کرام صرف ایک نظر کے فیض سے عمر بھر کے کفر کو دھو ڈالتے ہیں اور فسق و فجور کی سیاہ گھٹائیں ان کی ایک صحبت کے اثر سے ہمیشہ کے لیے صاف ہو جاتی ہیں۔

سرورِ دو عالم ﷺ اور تزکیه نفس

سرورِ دو عالم ﷺ کی صحبت پاک تعلیم کتاب تزکیہ نفس اور انوار حمت کی جامع درسگاہ تھی۔

"اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول انہیں میں سے بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے اور ان کے نفسوں کو پاک کرتا ہے۔ (ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے) اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا اور حکمت سکھاتا ہے۔ (سورہ الجمعہ)

کتاب کی تعلیم کے لیے تو درس کی ضرورت ہے اس کے لیے کتابیں بھی درکار ہیں اور علمی ماحول بھی لیکن تزکیہ نفس کے لیے سب سے مقدم مرشد کامل پھر ذکر وفکر اور تخلیے کی ضرورت ہے کیونکہ تزکیہ نفس کا تعلق زیادہ تر خیال کی پاکیزگی سے ہے اگر چہ اعمال بھی اپنی روحانیت سے اور اپنے نور سے تزکیہ کا سامان پیدا کرتے ہیں تاہم خیال کی پاکیزگی اور افکار کی نظافت بلاواسطہ نفس کی تقدیس وتطہیر کرتی ہے اور جب تک گندگیوں اور آلائشوں سے نفس پاک نہ ہو جائے اسلام وایمان مکمل نہیں ہو سکتے۔

تاثیر صُحبت

عمل اپنی جگہ خوبی اور برائی کے دوگونہ اثرات اپنے اندر رکھتا ہے اور آہستہ یا بہ زودی ہمنشین کے اندر اپنے نفوذ سے اپنی ہی صورت پیدا کر دیتا ہے گویا ہر اچھا اور برا عمل ایک تخم کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ تخم نہ صرف اپنے ہی نفس کی زمین میں پھیلتا اور پھولتا ہے بلکہ اس کا اثر ہمنشین پر بھی ویسا ہی ہوتا ہے اگر کسی ہمنشین کی نفسی قوتیں خیر وشر کے قبل میں پہلے سے مستعد ہوں تو فوراً اثر کرتا ہے اور اس کو اپنے جیسا بنا دیتا ہے

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

ترجمہ: ایک نیک عمل والے انسان کی صحبت تجھے نیک بنا دے گی اور برے انسان کی صحبت تجھے بدنصیب بنا دے گی۔ اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے مثالوں کی ضرورت نہیں جمادات سے لے کر حیوانات تک میں تاثیر صحبت سے انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے اور مٹی جیسی چیز پھولوں کے پاس بیٹھنے سے انکی خوشبو اپنے اندر لے لیتی ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشین درمن اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ: ایک خوشبو دار مٹی حمام میں مجھے ایک عزیز دوست نے دی میں نے مٹی سے پوچھا اے مٹی! تو کستوری ہے یا عنبری؟ کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہوا جا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگی میں تو صرف ایک حقیر مٹی ہی تھی، لیکن کچھ وقت پھولوں کی صحبت میں رہنا نصیب ہوا۔ ہمنشیں کے جمال نے اپنی تاثیروں سے مجھے معطر کر دیا ورنہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہی ہوں۔

تزکیہ نفس اور صحبت کامل

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک ناقص قسم کے درخت کا پیوند ایک عمدہ قسم کے پھل دار درخت سے جوڑ دیا جاتا ہے بس کچھ عرصہ اسی خاموش تاثیر صحبت سے وہ ناقص ثمر کا پودا خوبصورت، شیریں اور خوشبودار پھل کا درخت بن جاتا ہے۔ حیوانات کی خوبو بھی تاثیر صحبت سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔

انسانی عمل کی تاثیر سے اسی قسم کا عمل دوسرے انسان میں پیدا ہو جاتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے بالکل اسی طرح خیال کی تاثیرات اپنے اچھے اور برے نتائج رکھتی ہیں بلکہ ہمارے تمام اعمال ہمارے نفس کی لطیف صورتوں کا مظہر ہوتے ہیں اگر نفس انسان متشکل ہو کر سامنے آئے تو اس کی صورت عمل کی صورت سے مل جائے۔

کسی نفس کو پاکیزہ بنانے کیلئے پاکیزہ نفس کے انعکاس کی اشد ضرورت ہے اس کے بغیر صرف اپنے عمل سے نفس میں لطافت اور پاکیزگی کا آنا دشوار ہے۔ محض اس حقیقت کو ایک ابہام کی صورت میں مولانا روم یوں بیان فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: صرف ایک ساعت ولی اللہ کی صحبت سو سال کی خالص عبادت سے بہتر ہے۔

گر تو سنگ خارہ مرمر شوی
چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: اگر تو سخت پتھر اور سنگ مرمر بھی ہو تو جب کامل کی صحبت کا فیض پائے گا۔ تو ہیرا بن جائے گا۔

تزکیہ نفس کے اربعہ عناصر

(۱) اگرچہ تزکیہ نفس پاکیزہ اور مصفا نفس کی ہم نشینی کی برکت سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے تاہم اس کے لیے مربی کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے اور مرید کا اخلاص، اس کی محبت اور اس کی طلب جس قدر زیادہ ہوگی۔ اسی قدر جلدی یہ دولت نصیب ہوگی اور جب شرائط کی پابندی کے بعد یہ دولت ملتی ہے تو پھر پائیدار رہتی ہے۔

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

(۲) تاثیر صحبت کے دوسرے درجے پر ذکر کثیر ہے قرآن کریم میں ذکر کثیر کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر انسانی نفس جلا نہیں پا سکتا۔ آسمان سے انوار الٰہی کو اگر کوئی چیز کھینچنے والی ہے تو وہ ذکرِ کثیر ہی ہے۔

(۳) خلوت بھی اس فنِ شریف کے ارکان سے ہے کہ اس کے بغیر یکسوئی پیدا نہیں ہوتی اور یکسوئی کے بغیر کوئی اہم مقصد علمی ہو خواہ عملی حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ نفسی انقلاب علمی اور عملی ہر قسم کے مقاصد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

(۴) تزکیہ نفس کا چوتھا عنصر طلب صادق ہے۔ یعنی محض اللہ کی رضا کے لیے اس سے محبت کی جائے اسکی مخلوق سے محبت کی جائے اور اخلاق کو بہتر سے بہتر بنایا جائے اس کے لیے دل سے کینہ، بغض اور حسد جیسے امراض کو خیرباد کہا جائے اور اسلام کے لیے مفید ترین بلکہ جان ایمان واسلام یہی تزکیہ نفس ہے بس اس کے لیے کامل مرشد۔ ذکر کثیر، خلوت وتنہائی اور طالبِ صادق کی بلندی ہمت اربعہ عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نعت کہیے، مگر احتیاط کے ساتھ

پروفیسر محمد اقبال جاوید

☆ دورِ حاضر کو نعت کا دور کہا جاتا ہے۔ نعت نے اِس دور میں جو وسعت حاصل کی ہے وہ یقیناً قابلِ قدر ہے۔ ویسے ہر دور نعت ہی کا دور رہا ہے۔ نعت تو ایسی بہار ہے جو بے خزاں ہے، ایک ایسا نغمہ ہے جو فصلِ بہار کا محتاج نہیں، بلکہ لالہ وگُل، رعنائیوں کی بھیک اُس سے مانگتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ذکر تو بلند و بالا تھا، ہے اور رہے گا۔ اگر یوں کہا جائے تو شاید بہتر ہو کہ ہمارے دور نے اپنے تشخص کو پالیا ہے اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ وہی ایک در ہے جہاں تمناؤں کے اضطراب کی آسودگی نصیب ہوتی ہے۔ وہی ایک در ہے جو آبلہ پائی کا واحد سہارا ہے اور وہی ایک سہارا ہے جہاں شوق ہی راہبر، شوق ہی رہبر اور شوق ہی منزل ہوتا ہے۔ آج کے قلم کار اگر نعت سرا ہیں تو یہ اسی احساس کی شدت کا نتیجہ ہے۔ اس دور نے اگر آفتاب کو پہچان لیا ہے تو احسان، آفتاب پر نہیں ہے۔ یہ تو ثبوت ہے اس بات کا کہ دیکھنے والے کی نگاہِ سالم اور سمت درست ہے اور یہ بھی محبوب کی عطا ہے، محب کا فخر نہیں۔

آنکھوں میں نور، دل میں بصیرت ہے آپ سے
میں خود تو کچھ نہیں، مری قیمت ہے آپ سے

مجھے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعروں میں ایک دوڑ شروع ہوگئی ہے اور ہر "صاحبِ تخلّص" نعت گو بننے کی سعی کر رہا ہے۔ گویا، ہر بوالہوس نے حسن پرستی کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اس ذاتِ والا صفات سے قلبی تعلق نہ ہو، بات بنتی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثر نعتیں یا تو بے کیف ہیں یا غزل کا چربہ۔ غزل مبالغہ آفرینیوں کا دوسرا نام ہے، جبکہ نعت ایک ایسی احتیاط ہے جو تلوار کی دھار پر چلنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کے بارے میں مبالغے سے کام لیا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ نعت میں ادبیت اور حسنِ ادا کو اپنے کمال پر ہونا چاہیے۔ مگر غزل کی مجاز آفرینیوں اور مبالغہ آمیزیوں سے دامن بچانا چاہیے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس پاکیزہ صنفِ سخن اور غزل میں امتیاز مشکل ہو جائے اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں اس دور کی نعت کی تطہیر کے لیے کسی مجتہد کو اٹھنا پڑے اور کہنا پڑے کہ ۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اِسے اور ذرا تھام ابھی

اور بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "کوئی ایسا شخص عشقِ رسول ﷺ کی شاعری نہیں کرسکتا جو محبت کے کرب و درد، انہماک اور مرکزیتِ توجہ سے باخبر نہ ہو۔" سچی بات یہ ہے کہ نعت کی دنیا میں محو ہونے والا انسان، کوئے مجاز کا رُخ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ جب حقیقت دل میں سما جائے تو افسانے خود بخود بکھر جایا کرتے ہیں۔

عشق اک کفر ہے جب تک ہے وہ محدودِ مجاز
اور اِس حد سے گزر جائے تو ایماں ہو جائے

ایک نعت گو کے نزدیک حضور ﷺ کی محبت کے مقابلے میں باقی تمام محبتیں فروتر ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا مومن بیٹا حضور ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ اجازت ہو تو اپنے منافق باپ کی گردن اتار کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔ پاسِ ناموسِ عشق اور تکمیلِ ایمان کا تقاضا یہی ہوا کرتا ہے۔

وفا کا سوز تو کندن بنا دیتا ہے انسان کو
محبت جس کو خاکستر کرے گی کیمیا ہوگا

ضرورت اس امر کی ہے کہ غزل باوضو ہو کر نعت بن جائے۔ مگر غزل باوضو ہو نہیں سکتی جب تک کہ شاعر خود باوضو نہ ہو۔ چنانچہ ضروری ہے کہ شاعر نعت کہنے سے پہلے، حضور ﷺ سے تعلق کی کوئی صورت پیدا کرے اور اس صورت کی اولین منزل اتباعِ رسول ہے، جس میں اہم ترین چیز اہتمامِ نماز ہے کہ وہ مومن و کافر میں حدِ امتیاز ہے۔ نماز، حمد و ثنا اور درود و سلام کا ایک شرعی انداز ہے۔ اور نعت اسی درود و سلام کا غنائی اظہار اور مترنم شکل ہے، گویا جب تک دل کا آئینہ شفاف نہ ہو، اس میں جمالِ رسالت جھلک نہیں سکتا اور مکدر آئینہ نہ کوئی عکس سمیٹ سکتا ہے اور نہ کوئی جھلک دکھا سکتا ہے۔

عارض و رخسار اور گیسو و کاکل کے تذکروں نے بھی نعت کو غزل بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لیے معشوق، نازنین، طرحدار، خوبرو، ایسے الفاظ نعت میں در آئے ہیں۔ رسول پاک ﷺ، یقیناً حسنِ سراپا تھے کہ سورج اُن کی ضیائے رُخ سے تاب و تب لیتا، راستے اُن کے قدموں کی چاپ سے جھوم اُٹھتے، کہسار اُن کے قدِ دل نواز سے سربلندی پاتے اور فضائیں اُن کے نفس کی مہک سے عنبر فشاں رہتی تھیں۔ مگر اصل شے، غازۂ

جاں تھا جس سے رُخِ رسول ﷺ کا ہر خط نکھر گیا تھا اور اسی غازۂ جان کا دوسرا نام سیرتِ رسول ﷺ ہے، جس کی آگہی، شناسائی، تعلق اور عشق کے بغیر، ایمان ہی مبہم ہے۔ اور جب ایمان ہی مشکوک ہو تو نعت کے لیے اگر قلم اُٹھے گا تو وہ تخلیقِ مجاز سے بلند نہ ہو سکے گی۔

میں بصد توبہ واستغفار لکھتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں موسیقیت کی جو شان، ترنم کا جو انداز، آہنگ کی جو کیفیت اور دل نشینی کی جو خصوصیت ہے، اُسے ہم شعری جمال و کمال کے جملہ محاسن کے باوجود شعر کا نام بھی نہیں دے سکتے۔ اور قرآن نے شعرا کی تکذیب بھی، غالباً، اسی لیے کی کہ اس دور کے لوگ نبی کریم ﷺ کو شاعر اور قرآن کو شعر کہتے تھے، گویا قرآن اپنی تمام تر ترنم ریزیوں کے باوجود شعر نہیں ہے اسی طرح نعت میں اسلوب و ادا کی تمام تر رعنائیوں کے باوجود غزل کا رنگ اور ڈھنگ نہیں ہونا چاہیے اور نہ اُن اصطلاحات وتشبیہات کو نعت کے عظیم وجلیل ممدوح کے لیے استعمال کرنا چاہیے، جو غزل کی مجازی فضا کے لیے مخصوص ہیں۔ قدیم شاعر جب نعت کہتے تھے تو اُن کے پیشِ نظر عرفی کا دیا ہوا کڑا معیار ہوتا تھا:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را
ہُشدار کہ نتواں بیک آہنگ سُرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کَے و جم را

نتیجہ معلوم کہ وہ لوگ اپنے دل کی پاکیزگی، عقائد کے خلوص، روح کے گداز اور جملہ شعری صلاحیتوں کے باوجود نعت کہنے سے لرزتے تھے کہ کہیں توہین کے مرتکب نہ ہو جائیں، کیونکہ ممدوح وہ ذاتِ گرامی تھی جس کے حضور میں جنید و بایزید بھی سانس روک کر آتے تھے، اور اُن شعرا کے پیشِ نظر قرآن پاک کی یہ تنبیہہ بھی تھی کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز بھی اُونچی نہ کرو، بصورتِ دیگر اعمال یوں سلب ہو جائیں گے کہ احساس تک نہ ہوگا۔ آج ہر کہ ومہ نعت کہنے کی دوڑ میں شریک ہے۔ اس دوڑ نے نعت کو بے کیف، بے سوز اور محض بیت بازی بنا کر رکھ دیا ہے۔ دل میں منافقت کے بُت چھپا کر نعت نہیں کہی جا سکتی، جب تک نعت گو سراپا نالہ نہیں بنے گا، اس کی نوا بے تاثیر رہے گی۔ جب تک سوزِ دل، سازِ رگِ جاں نہیں ہوگا، نعت، منافقت ہی کی ایک صدائے بازگشت ہوگی۔ چونکہ یہ دور نعت کا ہے، اس لیے نعت کہنی چاہیے یہ منافقت کا ایک انداز ہے اور سیّدنا علی ؓ نے فرمایا تھا کہ منافق ہر شب کا چراغ ہوتا ہے۔

نعت خود بولتی ہے۔ اس کا خلوص قاری کے دل میں خود بخود اترتا ہے۔ شعر کے پیراہن میں لہراتے ہوئے آنسوؤں کی تپش، اور مچلتے ہوئے گداز کی لَو از خود دل کی طہارت اور قلم کی پاکیزگی کا پتا دیتی ہے۔ مگر آ[illegible]ی اکثر نعتیں، علیل جذبوں، اپاہج عقیدتوں او[illegible] مصلحتوں کی ترجمان ہیں۔ انداز کی خوش نما[illegible] پردوں کے باوجود اعمال کی سیاہی نمایاں ہے ا[illegible]یشمی الفاظ کی بہتات اور شبنمی تراکیب کا شکو[illegible] بداعمال کردار کو چھپا نہیں پاتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نعت میں الفاظ کا بانکپن تو ہے مگر اخلاص کا جمال نہیں اور محض لفظوں کا حُسن ہر دور میں گفتار کے غازیوں کی منافقت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ آج کی بیشتر نعتوں کو اگر حضور ﷺ کے اسمِ گرامی کے بغیر پڑھا جائے تو اُن میں اور ایک عام غزل میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اور بعض تو توہین تک جا پہنچتی ہیں اور لوگ انہیں جدید دور کا جدید انداز سمجھ کر گوارا کر رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں ایک اخباری مبصر نے ٹھیک لکھا تھا کہ آج کے بعض شاعر پہلے ایک غزل کہتے ہیں، پھر وہی غزل قائداعظم کی شان میں نظم بن جاتی ہے، اور بوقتِ ضرورت وہی نظم، نعت کا روپ دھار لیتی ہے..... نعت کو نہ اس روپ کی ضرورت ہے نہ بہروپ کی، اور ڈر ہے کہ کہیں ایسی ثنا وجہ ناراضی نہ ہو جائے اور رحمتِ عالم ﷺ کی خشمگیں نگاہوں کا کون سامنا کر سکے گا؟ شاعر کے لیے بہترین حَکَم، اس کا اپنا ضمیر ہے۔ اگر اُس کا ضمیر نعت گوئی پر مطمئن ہے تو ٹھیک، بصورتِ دیگر اُسے اپنے گستاخ قلم کو لگام دینی چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے۔ غیر مطمئن ضمیر، برے دل اور آلودہ قلم کے ساتھ نعت سے تلعب ایک خوفناک جسارت ہے۔

خیال رہے کہ نعت ذرا سی بے احتیاطی (بزعمِ خویش عقیدت) سے حمد بن جاتی ہے اکثر نعتیں ایسی ہیں کہ حضور ﷺ کے تصور کے بغیر انہیں پڑھا جائے تو وہ حمد لگتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کو ان کے مرتبے سے گرا دینا، اپنے ایمان کو ختم کر لینا ہے اور مرتبے سے بڑھا دینا شرک ہے۔ احتیاط کے انھی تقاضوں کی وجہ سے بڑے بڑے قادرالکلام نعت کے میدان میں خود کو عاجز محسوس کرتے ہیں۔ یہ شعر حضور ﷺ کے اعجاز اور غالب کے عجز ہی کا آئینہ دار ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

نعت گوئی جہاں ایک شاعر کے لیے سعادت ہے، وہاں آزمائش بھی ہے۔ شاعرانہ صلاحیتیں تو ہر قلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں۔ شاعر ذاتی طور پر اُس وہبی ذوق کو محض جلا دیتا ہے۔ اسی طرح حُبِ رسول ﷺ ہر مسلمان کا سرمایہ افتخار

ہے۔ 'ظرف' اور عطا کے مطابق دل کی اس کیفیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔ یہ دونوں صلاحیتیں فطرت کی دین ہیں۔ انسان کے بس کی بات نہیں ہیں۔ ایک نعت گو کے لیے بس کی بات اگر کوئی ہے تو وہ یہی کہ اس نے نعت کو نعت کے دائرے میں رکھنے کے لیے کیا کیا ہے؟ وہ اس کے لیے ذمہ دار بھی ہے اور جوابدہ بھی اور کسوٹی ایک ہی ہے کہ نعت کہتے کہتے ،توحید کے تقاضے تو مجروح رات کو ہر ذی روح سے باندھا بھی گیا تھا اور مانا بھی کہ اللہ ،اللہ ہے۔ اس کی ذات میں ،اس کی صفات میں ،اسی کے اختیارات میں اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ گویا جوہر الوہیت میں اس جیسا کوئی نہیں ، اس ایسی صفات بھی کسی میں نہیں ، اُس جیسا دینے والا اور چھیننے والا بھی کوئی اور نہیں۔ رکوع و سجود بھی اسی کے لیے وقف ، دعا و پکار بھی اسی بارگاہ میں ، اور اس پر ہر روح نے ہاں بھی کہا اور شہادت بھی دی۔ یہ پیمانِ وفا جب بھی ذہنوں میں دھندلایا، اللہ تعالیٰ نے اسے تازہ کرنے کے لیے نبی بھیجے۔ ہر نبی کے پہلے اور آخری سبق میں توحید ہی کی خوشبو اور توحید ہی کی تازگی ہے۔ رنگ اور خوشبو کے یہ قافلے، ہزاروں کی تعداد میں، پے در پے اسی لیے آتے رہے اور پھر آخر میں وہ آئے جنھیں اقبال نے آیہ کائنات کا معنی دیریاب کہا اور ظفر علی خان نے الست والی تاریک رات کو باندھے جانے والے عہد (توحید) کو نورِ اولین قرار دیتے ہوئے ،حضور ﷺ کو اُس نور کا اجالا سمجھا۔

پھوٹا جو سینہ شبِ تارِ الست سے
اُس نورِ اوّلین کا اجالا تمہی تو ہو!

اب چونکہ اس آخری آنے والے کے بعد ،کسی اور نے نہیں آنا، اس لیے امت محمدی کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اس چراغ کی لو کو اونچا رکھے۔

نعت گوئی آزمائش اسی لیے ہے کہ حمد میں انسان جتنی بھی تعریف کرے، اتنی ہی کم ہے، جبکہ نعت میں شاعر کو انتہائی چوکنا اور باشعور رہنا پڑتا ہے۔ بزعم خویش ارادت و محبت کی رو میں بہہ جائے تو ''الست'' والا عہدِ وفا ٹوٹ جائے گا اور اگر شایانِ بات نہ بن سکے تو قلم توہینِ رسالت کا مرتکب ہوگا۔ دونوں صورتوں میں ایمان کا جملہ حسن و کمال سلب ہو جائے گا اور شاعر کی بے شعوری کو شعور اس وقت آئے گا۔ جب میدانِ حشر میں خود ممدوحِ عظیم و جلیل ﷺ اپنے ہی نعت گو کے خلاف ، حضور کبریائی میں استغاثہ دائر کر رہے ہوں گے۔ نعت سرائی میں خدا کو خدا کے اور رسول ﷺ کو رسول ﷺ کے مقام پر رکھنا ہی نعت گو کی آزمائش ہے۔ یہ منزل جتنی بڑی ہے، اتنی ہی کڑی بھی ہے۔

سچی نعت گوئی کے لے مقامِ نبوت اور شانِ رسالت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ توحید کے تقاضوں سے مکمل آگاہی بھی چاہیے اور یہ بھی لازم ہے کہ مدحت نگار، نعت کو غزل کی آشفتہ مزاجی اور قصیدے کی مبالغہ آرائی سے بچالے جائے ، کیونکہ غزل اور قصیدے کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں ، یہاں ہر مبالغہ ، خیال آفرینی اور ہر مستانہ لغزش ، حسن ہے۔ جبکہ نعت کی ایک دینی حیثیت ہے، اس لیے یہاں قلم قلم پہرے ہیں اور دیکھنے والی نظروں کی دیکھنا بھی چاہیے اور ٹوکنا بھی کہ کہاں کہاں عقیدت نے عقیدے کے آبگینے کو مجروح کیا ہے، کیونکہ عقیدہ بہر نوع بالاتر ہے۔ حضور ﷺ ہم مسلمانوں سے صرف خراجِ عقیدت نہیں، بلکہ خراجِ اطاعت بھی لینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ یاد رہے کہ سچا اتباع ہی محبت کی واحد دلیل ہے۔ دورِ حاضر کے ایک عظیم نعت گو جناب حفیظ تائب کے الفاظ ہیں:

''نعت اِس کیفیت کا نام ہے جب فکرِ شاعر، ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی طرف پورے انہماک و اخلاص کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ اس کیفیت کے اظہار کے لیے اس سے بہتر لفظ نہیں مل رہے۔

شان اُن کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چُپ ہو جائیے

یہ کیفیت خدائے کریم کی خصوصی عنایت میں سے ہے۔ اس کیفیت کے الفاظ میں ڈھلنے کا عمل بھی تائیدِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں ، یہاں قدرتِ فن ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہے۔

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنر مندی
توصیفِ پیمبر ہے توفیقِ خداوندی

میں نعت گوئی کے موجودہ رجحان کو روکنا نہیں چاہتا، محض سنبھلنے کی تلقین کر رہا ہوں۔ نعت کے لیے جس پاکیزہ سوچ اور کمالِ محویت کی ضرورت ہے اس کا احساس ہر نعت گو کو ہونا چاہیے۔ بارگاہِ لطف و کرم سے یہ طہارت و نظافت نصیب ہو جائے تو خاص کرم ہے، ورنہ طلب اور آرزو تو ہونی چاہیے، معلوم نہیں نصیب کب کھل جائیں۔

فیضِ حق ناگاہ می رسد   ولیکن بر دلِ آگاہ می رسد

اور سچی طلب کی پزیرائی یقیناً ہوتی ہے۔ اگر وہاں سے توفیق مل گئی تو پھر فکر کے عقدے خود بخود کھل جائیں گے اور قلم میں بھی پرِ ہُما کی جنبش پیدا ہو جائے گی۔

نعت میں کیسے کہوں اُن کی رضا سے پہلے
میرے ماتھے پہ پسینہ ہے ثنا سے پہلے

سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ

☆ پروردگار کائنات نے موجودات عالم میں ہر شے کی خلقت کے ساتھ اس کی ہدایت کے سامان بھی کئے ہیں اور اس عالم کون وفساد میں مادی نشو ونما اور روحانی ارتقا، دونوں کے لئے اسباب مہیا فرمائے ہیں، جب زمین تشنہ ہوتی ہے، گرمی اور خشک سالی سے مخلوق بیقرار ہو جاتی ہے تو آسمان پر گھٹائیں امنڈنے لگتی ہیں جن کو دیکھ کر بیقرار و پریشان نگاہوں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے، خوف و پریشانی امید میں بدل جاتی ہے پھر بارش کے قطرے رحمت بن کر برستے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر سمت جل کے تھل ہو جاتے ہیں اور ہر طرف ہریالی اور سرسبزی پھیل جاتی ہے جس سے ہر ذی حیات کے لئے غذا اور طمانیت کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں اس قسم کے بیشمار مظاہر قدرت ہمیں بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کی نشو نما اور تحفظ کے ساز وسامان بھی تخلیق فرمائے ہیں، انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اور جسم و روح سے مرکب ہے اس کی جسمانی نشو نما اور روحانی ارتقا وبقا کے لئے بھی ہر قسم کی ضروریات پیدا فرمائی ہیں۔

جب شیطانی و طاغوتی طاقتیں انسان کے روحانی ارتقا کی راہ میں روڑے اٹکاتی ہیں اور معصیتیں ہر طرف تباہی وفساد پھیلاتی ہیں، انسان کی معاشرتی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، معاشی، اقتصادی، مادی، روحانی ہر طرح کا ارتقاء ایک جمود وتعطل کا شکار ہو جاتا ہے تو پروردگار عالم کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ کسی عظیم انقلابی شخصیت کو بھیجتا ہے جو دنیا میں ایک ایسا ہمہ سمتی انقلاب لاتی ہے جو بیک وقت سماجی اور معاشرتی بھی ہوتا ہے اور اقتصادی اور معاشی بھی، مادی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی، یہ برگزیدہ ہستی نبی و پیغمبر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو دنیا میں مبعوث فرمانے کی ضرورت واہمیت اور غرض وغایت کو قرآن مجید میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے!

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

''سب لوگ ایک ہی دین پر تھے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جو کہ خوشخبری سناتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافی امور میں فیصلہ فرما دے اور اس کتاب میں اختلاف انہی لوگوں نے کیا جن کو وہ کتاب ملی تھی اور ان کے پاس واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور انہوں نے یہ اختلافات باہمی ضد کی وجہ سے کیا، پھر اب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم اور فضل سے امر حق کی ہدایت کی جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی زمانے میں تمام انسان ایک ہی مذہب وملت اور عقیدہ وخیال پر تھے جو ملت حق اور دین فطرت تھا کیونکہ دنیا میں اوّل بنی نوع انسان کے باوا حضرت آدمؑ مع اپنی زوجہ محترمہ کے تشریف لائے اور خلافت الٰہیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا، ان سے جو اولاد ہوئی تھی وہ ان کو دین حق کی تعلیم دیتے رہے اور ان کی اولاد اس تعلیم پر عمل کرتی رہی، ایک زمانہ اسی حالت میں گزر گیا، پھر ان لوگوں میں مزاج و مذاق اور رائے وفکر کے مختلف ہونے کی وجہ سے اختلافات ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ ایک عرصہ بعد ان عقائد واعمال میں بھی اختلافات کی نوبت آ گئی اور یہ امتیاز وفیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ ان عقائد واعمال میں کونسا حق ہے اور کونسا باطل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرمایا جو ان لوگوں کو صحیح عقائد واعمال کی تعلیم دیتے، ان پر عمل کرنے والوں کو بشارت سناتے اور ان تعلیمات کے نہ ماننے والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان انبیاءؑ پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن میں صحیح احکام وعقائد کو کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کے نازل فرمانے کا مقصد یہ تھا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ فرما دے اور حق کو باطل سے جدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے آنے کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ سب لوگ ان کو قبول کر لیتے اور اپنے سب اختلافات مٹا دیتے مگر ہوا یہ کہ بعض نے آسمانی کتابوں کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلافات کرنا شروع کر دیا، اس طرح لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو قبول کیا اور انبیائے کرامؑ کی پیروی کی ان کو مؤمن کہا جاتا ہے، دوسرے وہ جنہوں نے آسمانی ہدایت اور انبیاءؑ کو جھٹلایا اور ان کی بات نہ مانی یہ لوگ کافر کہلاتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازل سے سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب لوگوں میں برائیوں اور بداعتقادیوں کا زور بڑھ جاتا ہے اور حق سے روگردانی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ ہر دور میں برے لوگ اور ہر نئی مبعوث اور ہر کتاب الٰہی سے اختلاف کرنے کو پسند کرتے اور ان سے مقابلہ ومخالفت کرنے میں اپنا زور خرچ کرنے پر آمادہ و برسرپیکار رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ O
میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی اس طرح بسر کرے کہ اس سے کوئی حرکت اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے وہ کونسے کاموں کو پسند فرماتا ہے اور کونسے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اس میں سے ایک چیز انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ اور ہاتھ پاؤں ہیں، دوسری چیز عقل اور تیسری چیز وحی ہے، انسان کو بہت سی چیزیں حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں اور بہت سی عقل کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے، ان تینوں ذرائع میں سے ہر ایک کا مخصوص دائرہ کار اور ایک خاص حد ہے جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں ان کا علم محض عقل سے نہیں ہو سکتا مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید، سرخ یا سبز ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھ بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے صرف حواس کے ذریعے نہیں ہو سکتا آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ جہاں تک حواس خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواس خمسہ جواب دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے لیکن عقل کی رہنمائی بھی ایک حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے اور نہ ہی عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو منتخب فرما کر اس کو اپنا پیغمبر قرار دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے اسی کلام کو وحی کہتے ہیں، کچھ پیغمبر ایسے بھی ہوئے ہیں جو کسی دوسرے نبی پر اتری ہوئی کتاب کے مطابق فرائض نبوت انجام دیتے ہیں اس لئے ہر نبی پر کتاب کا نازل ہونا لازمی نہیں ہے، جس خالق کائنات نے آسمان، زمین، چاند، سورج، سیاروں، ستاروں، باد وباراں اور گرمی سردی وغیرہ کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کو بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اس کو یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے، یہاں اس کے ذمے کیا کیا فرائض ہیں، اس کی منزل مقصود کیا ہے اور کس طرح اس منزل مقصود کو حاصل کر سکتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ آیت قرآنی سے بیان ہو چکا ہے کہ اس کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہے، جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو بجالانا اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے رک جانا ہے، اس مقصد کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے اس باقاعدہ نظام کا نام رسالت و وحی ہے، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم حواس ظاہری و عقل کے ذریعے یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسے کام پسندیدہ ہیں اور کونسے ناپسندیدہ ہیں، ان کے معلوم کرنے کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے پر نازل فرماتا ہے، جس کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے ہیں اس سے عقلی و نقلی طور پر انبیائے کرام کی اس دنیا میں تشریف آوری اور ان پر آسمانی کتابوں کے نازل ہونے کی اہمیت معلوم ہوگئی اور واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ وحی و رسالت محض اعتقادی چیز ہی نہیں ہے بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

تاریخ کی دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص نمایاں حیثیت کے مالک ہوئے ہیں جنہوں نے نظام عالم کو چلانے کے لئے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ایک طرف شاہان عالم کے پرشکوہ دربار ہیں جو ملک وقوم کی ترقی کے لئے نمایاں کردار ادا کرنے کے اجارہ دار ہیں ایک طرف سپہ سالاران افواج ہیں جو قوموں کی تقدیروں کے بدلنے کے دعویدار ہیں، ایک طرف حکما اور فلسفیوں کا سنجیدہ طبقہ ہے جو فلسفوں اور حکمتوں کی موشگافیوں سے نظام عالم کو درست کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ ایک طرف فاتحین عالم کا گروہ ہے جو تمام عالم کو ایک قومیت کی زنجیر میں داخل کرنے کا مدعی ہے، ایک طرف شعرائے کرام کی بزم رنگین ہے جو تقدیر امم کے دھارے کو موڑنے کے لئے کوشاں ہے، ایک طرف تاجروں، دولتمندوں، کارخانہ داروں اور خزانوں کے مالکوں کی جماعتیں اور ان کی گدیاں اور تجوریاں ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کا سماجی معاشرتی اور معاشی نظام ان ہی کے سہارے چل رہا ہے، اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے فاتحین اور سپہ سالاروں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبق الٹ دیئے، شاعروں نے اپنی خیالی شاعری سے لوگوں سے داد قابلیت حاصل کی، حکما اور فلسفیوں نے حکمت و فلسفے کے چشمے بہا کر مخلوق کو سیراب کیا۔ نظام عالم کے نقشے بدل دیئے، حیرت انگیز نظریئے پیش کئے، اہل ثروت نے تعمیر ملت وقوم میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس لئے ہم ان سب طبقات کے بزرگوں کے احسان مند ہیں لیکن انہوں نے انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی نمونہ نہیں چھوڑا اور اوہام فاسدہ وخیالات باطلہ کی کوئی زنجیر ان کی تلوار سے نہ کٹ سکی۔ ان کی شیریں زبانیوں کے پیچھے ان کے حسن عمل کا کوئی خوشنما نمونہ موجود نہ تھا۔

بنی نوع انسان کی بھلائی، اعمال کی اچھائی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی اقدار و قوی' میں اعتدال و میانہ روی کی کامیاب کوشش اگر کسی انسانی طبقے نے انجام دی ہے تو وہ صرف اور محض انبیائے کرام و رسولان عظام کا طبقہ

ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مبعوث فرمایا ہے ان حضرات کی تعلیم وتربیت اور عمل و اصلاح کے سر چشمے سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب جاہل و عالم، شہری و دیہاتی، مرد و زن اور پیر و جوان سب ہی کو برابر فیض پہنچا ہے۔ انبیائے کرامؑ کا یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہر کر یونہی چلتا رہا کہ جب لوگ راہ حق سے بھٹکے اور گمراہی و بے دینی و بدعات و شرک کا عام دور دورہ ہوا تو ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا اور کتاب نازل فرمائی تا کہ لوگ اس نبی پر ایمان لائیں اور اس کتاب کے موافق عمل کریں پھر وہ نبی اس دنیا سے پردہ فرما گیا اور مرور زمانہ کے ساتھ لوگوں میں گمراہی و بدعات وغیرہ بے دینی کے امور کا عام چرچا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو راہ حق پر لانے کے لئے دوسرے نبی اور کتاب کو بھیج دیا اور اس زمانے کی ضروریات کے مطابق اصلاحی احکامات نازل فرمائے۔ گزشتہ زمانوں میں جو انبیائے کرام آتے رہے وہ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کے لئے ایک محدود زمانے تک کے لئے احکام شریعت لاتے تھے اور اگر کوئی عالمگیر شخصیت مبعوث ہوئی تو ان کی شریعت بھی ایک مخصوص زمانے تک قائم رہی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے دوسرا پیغمبر بھیجا اور دوسری شریعت نازل فرمائی، سب شریعتیں اصول میں متحد تھیں اور فروغ میں اپنے اپنے زمانہ کے مطابق احکام سکھاتی تھیں بالآخر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے نبی و مرسل کو مبعوث فرمایا جو خاتم الانبیاء ﷺ ہیں جن کے بعد کسی بھی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا، اور ان کو ایک کتاب عطا فرمائی جو تمام کتب سابقہ کی ناسخ اور احکام الٰہیہ کی جامع و مکمل ہے، ان کو دین اسلام دیا جو تمام ادیان کا ناسخ اور ہر لحاظ سے مکمل و جامع دین ہے، اللہ تعالیٰ ان کی شان میں فرماتا ہے!

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کیا۔

پہلے انبیاءؑ کی کتابوں میں تحریف ہو کر ان انبیائے کرامؑ کی تعلیمات کے ضائع و گم ہونے کا جو سلسلہ اوپر سے چلا آ رہا تھا جس کی وجہ سے دوسرے نبی اور دوسری کتاب کی ضرورت پیش آتی تھی اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا اور قرآن کریم کے الفاظ و آیات اور اس کی تعلیمات کو قیامت تک ان کی اصلی صورت میں قائم و باقی رکھنے کے لئے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ السلام میں ایک ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرما لیا جو ہمیشہ دین پر قائم رہ کر کتاب و سنت کی صحیح تعلیم مسلمانوں میں شائع کرتی رہے گی۔ کسی کی مخالفت و عداوت اس پر اثر انداز نہیں ہو سکے گی، اس کے بعد دروازۂ نبوت و رسالت اور وحی کا بند ہو جانا ناگزیر امر تھا۔ اس لئے ختم نبوت کا اعلان فرما دیا اور فرمایا!

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا O (۴)

"محمد ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے!

لانبی بعدی (۵)

"میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا"۔

آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے تمام دنیا کی حالت ناگفتہ بہ تھی، حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہوئے چھ ۶ صدیاں گزر چکی تھیں، دنیا کی آبادی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ذریعہ حاصل ہوئی صداقت حق کو فراموش کر چکی تھی تمام نوع انسانی اللہ تعالیٰ کی بجائے مظاہر پرستی میں مبتلا تھی۔ سورج، چاند، ستاروں، حیوانوں، درختوں، پتھروں، آگ، پانی، ہوا اور مٹی کی پرستش ہو رہی تھی، کوئی کسی انسان کو خدا کا اوتار مانتا تھا تو کوئی خدا کا بیٹا قرار دیتا تھا۔ اگر ایک گروہ مادہ پرست تھا تو دوسرا گروہ اپنی روح یعنی آتما ہی کو خدا سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وصمدیت کا کوئی خالص تصور نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کی پرستش و عبادت کی جاتی تھی تو دوسروں کے واسطے سے کی جاتی تھی اور خالق موجودات کو مانا جاتا تھا تو!

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ O

"اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود"۔

کے ذریعے سے مانا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا۔

مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی O

"ہم ان کو صرف اس لئے پوجتے ہیں تا کہ یہ خدا کی طرف ہماری قربت کا ذریعہ بن جائیں"۔

تاریکی کا دور دورہ تھا، ظلم و ستم کی آندھیاں چل رہی تھیں، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ بھائی بھائی کا دشمن تھا، شرک و بدعات کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے، رسم و رواج کی سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، اسی طرح پوری دنیا اور بالخصوص خطہ عرب ہر قسم کی برائیوں اور خرابیوں کی سب سے بڑی آماجگاہ تھا، ایسے حالات میں چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں خطہ عرب کے عظیم و مبارک شہر مکہ معظمہ میں رحمت الٰہی کی بدلیوں میں ایک عالمگیر نمو ہوئی۔ جس کے فیضان عام نے تمام ہستی کائنات کو سرسبزی و شادابی کی بشارت سنائی۔ یہ ہدایت الٰہی کی تکمیل اور شریعت ربانی کے ارتقاء کا آخری مرتبہ تھا، انبیاء ورسل کی ترسیل اور صحف سماوی کے نزول کا اختتام تھا اور وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی، یہ امت مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا، اصح روایت کے مطابق ماہ ربیع الاول کی ۸ تاریخ، اور عوام میں مشہور قول کے مطابق ۱۲ تاریخ تھی۔ کہ اس امت مسلمہ کی بنیاد پڑی، یہ دنیا کے عروج کے بانی کی پیدائش کا دن تھا، اس دن کی عظمت و بزرگی کا کیا بیان ہو سکتا ہے، یہ کائنات کے محسن اعظم کی پیدائش کا دن ہے، یہ کرہ ارضی کی مشترکہ اور بے بہا خوش بختی و سعادت کا دن ہے۔ جس کو یہ کائنات کبھی نہیں بھلا سکتی، آپ ﷺ کی پیدائش تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ O

"ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

یہ وہ سعادت افروز صبح تھی جس نے کائنات ارضی کو رشد و ہدایت کے طلوع کا مژدہ جانفزا سنایا، یہ وہ مبارک و محمود ساعت تھی جو معمورہ عالم کے لئے پیغام بشارت بنی، عالم کا ذرہ ذرہ زبان حال سے نغمے گا رہا تھا کہ اب دنیائے ہست کی

بدبختی دور ہونے، شرک وکفر کا پردہ چاک ہونے اور سعادت عظمیٰ سے کائنات کے معمور ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

جس بے سروسامانی کے عالم میں آپ ﷺ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کوان الفاظ میں ادا فرمایا ہے!

اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی O

"کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یتیم نہیں پایا پس آپؐ کو ٹھکانا دیا۔

ابھی آپ ﷺ شکم مادر میں تھے کہ آپؐ کے والد ماجد اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپؐ شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ پھر چھ سال کی عمری میں بہ حالت سفر آپ کی والدۂ ماجدہ کا بھی اس دار فانی سے انتقال ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے شفیق دادا سے پرورش کرایا، پھر آٹھ سال کی صغر سنی میں ان کی بھی وفات ہو گئی، اور آپؐ کے چچا نے آپؐ کی پرورش کی۔ لحہ بہ لحہ بتدریج دنیاوی آسروں کی جدائی کے باوجود خدائے قدوس نے اس دریتیم کی تربیت اپنی ذات خاص سے وابستہ فرمائی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ماحول سازگار رہا ہو یا ناسازگار، آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کا معیار اسقدر بلند ہے کہ اس سے بلند معیار متصور نہیں ہے، آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے رب نے مجھ کو تعلیم دی پس مجھ کو سب سے بہتر تعلیم دی اور میرے رب نے مجھ کو ادب سکھایا یعنی تربیت دی پس مجھ کو سب سے بہتر ادب سکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کی بعثت کے تین مقصد بیان فرمائے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے!

"وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ سے پاک کرتا ہے اور ان کو حکمت و دانش کی باتیں سکھاتا ہے اور یہ لوگ اس پیغمبر کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔

یعنی شرک وکفر اور رسومات جاہلیت میں گرفتار تھے اور اس زمانے کے موجود لوگوں کے علاوہ دوسرے ان لوگوں کے لئے بھی اسی رسول کو بھیجا جو اس کی امت میں ہونے والے ہیں لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ یعنی خواہ اس وجہ سے کہ وہ اس زمانہ میں موجود تھے اور ابھی اسلام نہیں لائے تھے یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے بعد کے زمانے میں پیدا ہوں گے۔

اس آیت مبارکہ سے قیامت تک کے تمام لوگ خواہ عربی ہوں یا عجمی آپ ﷺ کی امت میں شامل ہیں اور آپؐ ان سب کے نبی ہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں، قیامت تک آپؐ ہی کی نبوت جاری ہے، آپؐ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کی بعثت کا پہلا مقصد قرآن پاک کی آیات کی تلاوت امت کے سامنے کرنا بتایا گیا ہے اور دوسرا مقصد امت کی تربیت کرنا اور ان کو باطل عقیدوں اور برے اخلاق و عادات سے پاک کرنا بتایا ہے۔ اور تیسرا مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم دینا ہے جس میں تمام ضروری دینی علوم کی تعلیم آ گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور اس کی آیات کی تلاوت کرنا یعنی ان کو پڑھنا ایک مستقل فرض اور ایک علیحدہ مقصد ہے اور ان آیات کے معانی ومطالب کو سمجھنا ایک الگ فرض و مقصد ہے جس طرح قرآن مجید کی آیات کے معانی و مطالب کو سمجھنا اور ان میں بتائے ہوئے اعمال و احکام پر عمل پیرا ہونا فرض اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کو پڑھنا بھی ایک مستقل عبادت ہے اور یہ تلاوت انوار وبرکات کا موجب اور نجات اخروی کا سرمایہ ہے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنا اس کے حقیقی انوار برکات کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی پڑھے تو اس کے لئے اس کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے یعنی اس کے لئے الم کے کہنے پر تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ آپ ﷺ نے الم کی مثال فرمائی جو حروف مقطعات میں سے ہے جس کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے معنی اور مراد اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر معنی جانے ہوئے بھی قرآن پاک تلاوت کرنا فرض وعبادت مقصود اور باعث اجر وثواب ہے اور سمجھ کر پڑھنے والے کے لئے تو اور بھی بہت زیادہ اجرو ثواب اور نور علیٰ نور ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ "قرآن کریم پڑھو جب تک تمہارے دلوں کا میلان اس کی طرف باقی رہے اور جب اکتا جاؤ تو اس سے اٹھ کھڑے ہو یعنی پڑھنا بند کر دو۔ قرآن مجید کا معجزہ ہے کہ اس کو کتنی ہی دفعہ پڑھا جائے یہ نیا ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کے بار بار پڑھنے سے طبیعت اکتانے کی بجائے سرور ونشاط محسوس کرتی ہے اور اس کے معارف بھی ختم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کی مثال حدیث شریف میں ترنجبین کے ساتھ دی گئی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی عمدہ ہے، اسی طرح قرآن مجید پڑھنے والا اور اس کے پاس بیٹھنے والے تلاوت کو سن کر ثواب سے مالا مال ہوتے ہیں اور ان کا ظاہر و باطن منور ہو جاتا ہے۔ جو مومن قرآن مجید کی تلاوت سے محروم رہتا ہے اس کی مثال کھجور کی طرح ہے کہ اس کا مزہ تو اچھا ہے لیکن خوشبو نہیں ہوتی یعنی اس کا باطن ایمان کے نور سے منور تو ہے لیکن تلاوت نہ کرنے کے سبب دوسروں کو نفع نہیں پہنچاتا اور قرآن پڑھنے والے منافق کی تلاوت سے دوسروں کو تو نفع ہوتا ہے لیکن اس کا باطن ایمان کے نور سے خالی ہے پس خوشبو ہے تو لیکن مزا اندارد۔

بعثت کے دوسرے مقصد یعنی کتاب و حکمت کی تعلیم سے انسان اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے اور اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں سے بچنے کا علم حاصل کرتا اور ان احکام پر عمل کر کے اپنے ظاہر کو شریعت کا پابند کرتا ہے لیکن کسی چیز کا علم ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ شخص اس کے مطابق عمل ضرور کرتا ہے کیونکہ انسان کا نفس جب تک برائیوں سے پاک نہ ہو جائے وہ نیکی کے کاموں میں رکاوٹ ڈالتا اور عمل سے روکتا رہتا ہے اس لئے حضور انور ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد تزکیہ کرنا ہے جس کے معنی ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرنا ہے۔ ظاہری نجاست کو تو عام طور پر لوگ جانتے ہیں اور وہ

نجاست حکمی یعنی حدث اکبر و اصغر اور نجاست حقیقی یعنی جسم دار نجاست ہے اور باطنی نجاست سے مراد کفر و شرک، غیر اللہ پر اعتماد کلی۔ اعتقادات فاسدہ اور تکبر۔ حسد، بغض، حسب دنیا، حرص بخل، عنا کذب ،افترا، غیبت اور چغل خوری وغیرہ خصائل رذیلہ ہیں اگر چہ علمی طور پر کتاب وحکمت یعنی قرآن وسنت میں ان سب چیزوں کا بیان موجود ہے لیکن تزکیہ کو آپ ﷺ کی بعثت کا الگ مقصد قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے اور کسی زبان کے سیکھ لینے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اور فن کی کتاب کے معنی کو سمجھ لینا اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ اس شخص کو وہ فن بہ تمام و کمال حاصل ہو گیا ہے، محض نظری وعلمی طور سے کوئی فن حاصل ہونے سے اس کا استعمال وکمال حاصل نہیں ہوتا، جب تک کہ کسی مربی واستاد کی نگرانی میں اس کی عملی مشق کر کے عادت نہ ڈالی جائے چونکہ تعلیم کا مقصد عمل ہوتا ہے اور عمل وہی درست وقابل قبول ہوتا ہے جس میں اخلاص ہو، اس لئے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

’’تم لوگوں میں سے ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اور آخرت کے دن سے ملنے کی امید رکھتا ہو (یعنی ان پر ایمان لایا ہو) اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں ایک عمدہ اور بہترین نمونہ موجود ہے۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی عملی رہنمائی کے لئے رسول اللہ ﷺ کو تمام کمالات ظاہری و باطنی سے اکمل درجے تک مزین فرما کر اس دنیا میں بھیجا تا کہ آپ ﷺ قیامت تک ہر دور کے لئے زندگی کے ہر شعبے کا عملی نمونہ لوگوں کو پیش کر سکیں، انبیائے کرام کی زندگیاں خدائے علیم وخبیر کی مرضی میں کامل طور پر ڈھل کر نکلتی ہیں اس لئے ان کی ایک ایک بات، ان کا ایک ایک فعل اور ان کی ایک ایک ادا امت کے لئے اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور انور ﷺ کا اسوۂ حسنہ اکمل واتم ہے، آپ ﷺ نے اس دنیا میں تشریف لا کر اختلافات کو مٹایا، اتفاق واتحاد اور اخوت کی بنیادیں استوار کیں، عصبیت اور نسل پرستی کے بت کو توڑا، انسانیت کے مسائل زندگی کو حل کیا، کفر وشرک و بدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر نور اور روشنی میں لائے، انسان کو خالق حقیقی سے ملایا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ اپنے ہم نشینوں میں آنحضرت ﷺ کی سیرت کیسی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہتے تھے، نرم خلق والے اور زندگی میں آسانی کو پسند کرنے والے تھے (تا کہ امت پر سہولت ہو) نہ درشت خو تھے نہ بد مزاج، نہ فضول بولنے والے تھے نہ عیب جوئی کرنے والے، جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے بے نیازی فرماتے، نہ اس کا عیب بیان کرتے نہ اس میں رغبت ظاہر فرماتے۔ تین چیزیں آپ ﷺ نے از خود ترک فرما دی تھیں۔ شک کرنا، مال کثرت سے جمع کرنا، غیر مفید باتیں کرنا، تین چیزوں سے آپ ﷺ نے لوگوں کو چھوڑ دیا تھا۔ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کو شرمندہ نہیں کرتے تھے، کسی کی پوشیدہ بات کا تجسس نہیں کرتے تھے، صرف وہی کلام کرتے جس میں آپ ﷺ کو ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو فرماتے تو سب اہل مجلس اس طرح خاموش ہو جاتے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں پھر جب آپ خاموش ہو جاتے تو لوگ کلام کرتے، مسافر وغریب کے بات کرنے یا سوال کرنے میں اس کی بے ادبی پر صبر فرماتے، اس وقت آپؐ کے اصحاب اس شخص کو دور ہٹانا چاہتے تو آپؐ فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ کچھ طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کرو، سوائے تلافی کرنے والے کے اور کسی کی مدح وثنا قبول نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کسی کی بات کو قطع نہ کرتے جب تک کہ وہ خود ہی قطع نہ کر دے، حلم وصبر کے جامع تھے، آپ کو نہ کوئی چیز غضبناک کرتی نہ بے راز، احتیاط صرف چار باتوں میں منحصر تھی، بدی کے ترک کرنے میں کہ اس سے باز رہیں، بہبود امت کے امور میں، عقل سے غور وفکر میں اور ان امور کے قائم کرنے میں جن سے امت کی دنیا آخرت جمع ہو، اس کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے۔

حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔ آپ ﷺ نے صحابہ اکرامؓ کی ایسی اخلاقی تربیت فرمائی کہ ان کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ ایک طرف ان کی عقل و دانش اور علم حکمت کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا کے فلسفے ان کے سامنے گرد ہو گئے، دوسری طرف ان کے تزکیہ باطنی، تعلق مع اللہ اور اعتماد علی اللہ کا یہ درجہ تھا کہ خود قرآن مجید نے ان کی تعریف کی ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف جاتے تھے فتح ونصرت ان کے قدم چومتی تھی اور تائید رحمانی ان کے ساتھ ہوتی تھی ان کے محیر العقول کارنامے آج بھی ہر قوم وملت کے ذہنوں کو مرعوب کئے ہوئے ہیں یہ سب اسی تعلیم و تربیت نبوی ﷺ کے اعلیٰ نتائج ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو کامل ترین اسوۂ حسنہ عنایت فرما کر مبعوث فرمایا ہے اور انسان کے اخلاق حسنہ کی تکمیل کرنا، آپ ﷺ کا مقصد بعثت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے!

’’آپ ﷺ کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

یعنی جب تم میری لائی ہوئی شریعت پر چلو گے تو پہلے کئے ہوئے گناہوں سے تمہاری توبہ قبول ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

محبت ایک پوشیدہ چیز ہے کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں اور کم ہے یہاں زیادہ ہے اس کا اس کے سوا اور کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ اس کے حالات و معاملات سے اندازہ کیا جائے محبت کا کچھ آثار اور علامات ہوتی ہیں۔ جن سے اس کو پہچانا جا سکتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور اس کا محبوب بننے کی تمنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت

مبارکہ میں اپنی محبت کا معیار بتایا ہے کہ اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالکِ حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کا کامل طور پر اتباع کرے، جو شخص اپنے دعوے میں جتنا سچا ہوگا وہ حضور انور ﷺ کے اتباع کا اسی قدر زیادہ اہتمام کرے گا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی روشنی کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے گا اور جتنا اپنے دعوے میں کمزور ہوگا اسی قدر اس کی طرف سے آپ ﷺ کے اتباع میں سستی اور کمزوری پائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ O

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی

ایک حدیث میں آں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میرا اتباع کیا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کا اتباع کیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اسکی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو قرآن حکیم میں ایک جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے!

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ O

"تمھارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے وہ تمھاری بھلائی پر حریص ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"

یعنی اے بنی آدم تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا حق کے قبول کرنے سے انکار کرنا، اپنی جہالت و مصیبت پر ڈٹے رہنا رسول اللہ ﷺ پر شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی اور خیر خواہی کا بھوکا ہے، بنی نوع انسان کے ساتھ اس کی خیر خواہی اس کو تمہاری تبلیغ و نصیحت اور اسلام و اخلاقِ حسنہ کی دعوت پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آنحضور ﷺ تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ، ہمدرد اور غمگسار تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے، یہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی آسمانی شہادتیں ہیں۔ آپ کی سیرت مبارکہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، ایمان، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، صدقہ خیرات، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر شکر، سخاوت، شجاعت، عفت، صداقت، حلم، عدالت، تسلیم و رضا اور ان کے علاوہ اور حسنِ عمل و حسنِ خُلق کی جس قدر تعلیم آپ ﷺ نے فرمائی اُن سب کے لیے آپ نے اپنا نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن مجید میں تھا وہ سب آپ ﷺ کی زندگی میں مجسم عمل ہو کر نظر آیا۔ چند صحابی حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یاام المومنین! حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و معمولات بیان فرمایئے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ صفت قرآن تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے، جو شخص آپ ﷺ کو پہلی دفعہ دیکھتا مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے وہ آپ ﷺ سے ملتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔

آپ ﷺ کے شمائلِ مبارک کتب احادیث و سیرَ میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے کسی کا دل نہ دکھاتے تھے کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آجاتا کھا لیتے اس میں عیب نہ نکالتے، آپ ﷺ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا تھا۔ نہ کسی سے بدلہ و انتقام لیتے تھے۔ اور نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق کی مخالفت کرتا تو حق کی طرفداری میں آپ ﷺ کو غصہ آجاتا تھا اور آپ حق کی پوری پوری حمایت فرماتے، آپ ﷺ اولاد کے لیے ایک شفیق باپ، ازواج مطہرات کے لیے ایک محبوب خاوند، عزیز و اقارب کے لیے ایک مقبول رشتہ دار، ہمسایہ کے لیے ایک غمگسار پڑوسی، اہل شہر کے لیے ایک خیر خواہ شہری، قوم کے لیے ایک بہترین مُشیر، ملت کے لیے ایک اعلیٰ رہنما، افواج کے لیے ایک تجربہ کار سپہ سالار، شاگردوں کے لیے ایک مہربان استاد، مریدوں کے لیے ایک کامل ترین مربی و مرشد، انسانیت کے لیے ایک محسنِ اعظم اور تمام ذوی الحیاۃ کے لیے روح رواں تھے۔ بنیادی اقدار حیات یعنی صداقت، امانت، عدالت، شجاعت کا مظہر اکمل تھے، الصادق الامین تھے، بالآخر آپ ﷺ نبوت و رسالت کے مشن کی تبلیغ کو انجام کار تک پہنچا کر تریسٹھ 63 سال کی عمر میں مشہور روایت کے مطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو پیر کے دن اس عالمِ فانی سے پردہ فرما گئے اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی ﷺ کے متصل اپنے حجرہ شریفہ میں آرام فرما ہیں لیکن مسجدِ نبوی کی بار بار توسیع کی وجہ سے آپ ﷺ کا حجرہ شریفہ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں آگیا ہے اور بعد میں اس پر گنبد خضریٰ تعمیر کر کے اس کو مسجد سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا فیض تمام کائنات میں قیامِ قیامت تک جاری و ساری ہے۔ حفاظ و قرأ حضرات آیات قرآن کی تلاوت و تعلیم اور علمائے کرام کتاب و حکمت کی تعلیم اور صوفیائے عظام تزکیہ باطن کے مشن میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو آنحضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت بخشے۔ آمین۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

معراج انسانیت

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

☆☆ یہ حقیقت کہ انسان میں اچھے اور برے رجحانات بیک وقت جمع ہوتے ہیں۔اس قدر پیش پا افتادہ ہے کہ اسکا اعادہ تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود انسان کی فطرت کو سمجھنے کے لئے اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔نفسیات کے ماہر یہ جانتے ہیں کہ انسان کی جبلت میں تاریک اور تباہ کن خواہشوں کا اوقیانوس موجزن ہے کہ اگر اس میں قوت احتساب نہ ہوتی تو وحشی درندوں سے بھی زیادہ خوں خوار اور ان تمام خوبیوں سے عاری ہوتا جو انفرادی اجتماعی زندگی کی ضامن ہیں، جس قوت کو میں نے احتساب کہا ہے اس کے لئے انگریزی میں سینسر Censor اور اردو میں فوق الشعور کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔یہ احتساب کیا ہے؟ یہ کمزور کیوں پڑتا ہے۔ یہ وہ سوال ہیں جو ہر ذی فہم کے ذہن مین ابھرتے ہیں،اوران کے صحیح جوابوں پر اس کے کردار کی تعمیر ہوتی ہے، یہ ممکن ہے کہ یہ سوال شعوری طور پر قرطاس احساس پر منقوش نہ ہوتے ہوں لیکن انسان کا کردار ان ہی سوالوں کے جوابات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

احتساب وہ قوت ہے جو انسانوں کو اپنی خواہشات پر پابندی لگانے پر مجبور کرتی ہے۔وہ یہ بتاتی ہے کہ ہر اندھی خواہش پر عمل کرنا نامناسب ہوگا۔ اگر یہ قوت احتساب نہ ہوتی تو اخلاق کا ضابطہ مرتب نہ ہوتا۔ یہ قوت اس طرح پیدا ہوئی ہے کہ انسان اپنے طویل نوعی تجربے کی بنا پر یہ معلوم کر چکا ہے کہ ہر خواہش کی بلاروک ٹوک تکمیل سے انفرادی اور معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور معاشرے کے انتشار سے وہ خود بھی مجروح ہوتا ہے۔اس نوعی تجربے کے علاوہ جو حقیقتاً احتساب کی بنیاد ہے۔ ایسے معاشرے کے عقائد ورواج اسے تقویت پہنچاتے ہیں ۔جس میں وہ زندہ ہوتا ہے۔اگر یہ بات معقولیت کے ساتھ سمجھ میں آتی ہو کہ احتساب جس بات سے روکتا ہے وہ نوعی سماجی، یا انفرادی مفاد کے پیش نظر ممنوع ہونی چاہئے۔تو اس فیصلے کو قبول کرنا چاہئے۔

احتساب مسلسل بدعنوانیوں اور بغاوتوں سے کمزور پڑ جاتا ہے۔لیکن احتساب غلطی بھی کرسکتا ہے اگر معاشرہ مریض ہو تو انفرادی احتساب بھی مریض ہو جاتا ہے اور معاشرے کی خرابیوں کے خلاف اس کی قوت مدافعت کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اکثر دانش وروں کی رائے میں ضابطہ حیات واخلاق کی ضرورت ہے۔جو احتساب کے لئے کسوٹی کا کام کرے اور اسے صحیح راستے پر چلنے کی ہدایت کرے، جب احتساب ایک ایسے ضابطے کا پابند ہو جاتا ہے جو محض منفی اقدار سے آگے بڑھ کر مثبت قید کی صورت اختیار کرلے تو احتساب کا نام ضمیر میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ تربیت یافتہ قوت احتساب کا نام ضمیر ہے۔انفرادی اعتبار سے معراج انسانیت یہی ہے کہ انسان خیر کا حامل ہو اور شر سے اس کا دامن پاک ہو، اجتماعی طور پر معراج انسانیت یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جو خیر کی ترویج اور شر کی بیخ کنی میں کوشاں ہو اور اس میں کامیابی بھی حاصل کرسکے،کوشش کا ذکر میں نے اس غرض سے کیا ہے کہ بغیر کوشش کے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی اور اگر ایک مرتبہ حاصل ہو بھی جائے تو قائم نہیں رہ سکتی۔وہ تمام خواہشیں اور قوتیں جو انسان کو ودیعت ہوئی ہیں۔انسانی زندگی میں ایک مقام رکھتی ہیں۔اور کوئی نہ کوئی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔وہ اس کی انفرادی اور نوعی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں، البتہ ان کے استعمال میں اعتدال شرط ہے اور ان کو کام میں لانے کے لئے بعض حدود مقرر کرنی پڑتی ہیں تاکہ وہ صحیح طور پر بروئے کار آئیں۔انسان کی ہر قوت ایک ایسی طاقت ہے جو تعمیر بھی کرسکتی ہے اور تخریب بھی، جو آب حیات بھی ثابت ہوسکتی ہے اور زہر ہلاہل بھی، معراج انسانیت یہی ہے کہ ان سب کو آب حیات بنا کر کام میں لایا جائے۔اب آپ اسلام کے ضابطہ اخلاق پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے انسان کی کسی قوت کو شل کرنے کی ترغیب نہیں دی ، بلکہ اس کے استعمال کا ایسا قاعدہ بتایا کہ بہتر سے بہتر خدمت انجام دے سکے۔زندگی میں اس کا وہی کردار ہو جو معاشرے کی تعمیر کے لئے ضروری ہے۔اسلام نے نہ تو اسے ترک کرنے کی تلقین کی جس سے اس کی افادیت ختم ہو جاتی، اور انسانی ذہن کے لئے الجھن اور اس کی نوعی اور انفرادی زندگی کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتیں، نہ ایسی چھوٹ دی کہ انفرادی زندگی کا اعتدال اور معاشرے کا استحکام ختم ہو جائے۔یہ توازن

جو اسلام کے ضابطے کی جان ہے اور جو اس ضابطے کو دوسرے ادیان اور ضابطوں پر فوقیت دیتا ہے ایک طرف تو حکمت باور دانش کی معراج ہے ، دوسری طرف فطرت شناسی اور جبلت آگاہی کا کمال ہے۔ اسلام معراج انسانیت کا فہوم یہ نہیں سمجھتا کہ فرد اپنے آپ کو انفرادی ، نوعی اور اجتماعی فرائض سے علیحدہ کرلے، یہی سبب ہے کہ وہ رہبانیت کو مکروہ اور فرار کو ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔اس کا ضابطہ اس مردمومن کی تربیت کرتا ہے، جس کے لئے زندگی ایک نعمت ہے اور دونوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ان کے نزدیک حیات جدوجہد ہے، کارزار ہے ، وہ پوشیدہ اور دانستہ قوتوں کو صحیح استعمال کے ذریعے سے بیدار کرنے اور ان کی تربیت سے جلا پاتی ہے، کمزور نہیں پڑتی ۔ جو اس کارزار سے جی چرا کر ہمالیہ کی چوٹیوں یا سوامے کے زاویوں میں پناہ لیتا ہے ہو اسلام کا مرد مومن نہیں بن سکتا۔پھر اسلام اس ازلی راز سے بھی پوری طرح آگاہ ہے کہ فرار سے جو ذہنیت پیدا ہوتی ہے وہ نہ انسانیت کی تعمیر کرسکتی ہے نہ اس کی حفاظت ،معراج انسانیت کارزار حیات میں کامیابی کا نام ہے۔اس کا نشان ظفر فتح مبین ہے۔یا شہادت ہے ، زندگی کو تج دینا اور رہبانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنا نہیں ہے اور فتح کا ذکر آیا ہے ،تو فتح کس کے اوپر، جہاد جو اس کارزار کا ایک پرتو ہے وہ جہاد کس کے خلاف؟ مومن کا جہاد شر کے خلاف ہوتا ہے خواہ وہ اپنے نفس میں ہو یا معاشرے میں یا طاغوتی طاقتوں کے استیلا میں یا انسان پر ظلم کی شکل میں اور ان سب کے خلاف بیک وقت جاری رہتا ہے ، ایک ایک کے خلاف علیحدہ علیحدہ ، باری باری سے نہیں بلکہ بیک وقت اس لئے کہ جہاد تو وہ عبادت ہے جو شرط عبودیت ہے۔اس سے مومن کسی جگہ منہ نہیں موڑ سکتا۔

نفس کے خلاف جہاد کا صلہ تزکیہ نفس ہے جو تمام دوسری قوتوں کی تقویت کی بنیاد ہے ۔ معاشرے میں شر کے مقابلے کا صلہ تطہیر معاشرہ ہے جس کے بغیر انسان کی اجتماعی قوتیں بیدار نہیں ہو سکتیں ، طاغوتی قوتوں کا استیلا فرد اور معاشرے دونوں کے لئے پیغام موت ہے اور اس کے خلاف جہاد حیات نو کا پیغام اور اس میں کامیابی کا صلہ انصاف اور عدل کا قیام ہے جس کے بغیر انفرادی اور اجتماعی زندگی کے درمیان رشتہ قائم نہیں رہ سکتا۔اگر اسلام کا ضابطہ اخلاق و کردار حیات انسانی کی تطہیر و عروج کا ضامن ہے تو وہ ذات گرامی جسے اس ضابطہ حیات کو سکھانے کے لئے اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجا گیا، انسانیت کے کس مقام پر جلوہ افروز ہے، وہ مقام تو وہی ہو سکتا ہے جہاں تک انسان پہنچنے کی برابر کوشش کرے تو قریب تر تو پہنچ سکتا ہے لیکن اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ مقام انتہائے عروج ہے ، وہ دوسرے انسانوں کے لئے خواہ وہ انبیا ہوں یا اصفیا سمت الرآس عروج تو ہے مقام عروج نہیں وہ معراج ہے محض معراج نہیں ، اللہ تعالیٰ کی اس امر میں کیا مصلحت تھی کہ اس نے ایک انسان کو ایسے درجے پر پہنچایا کہ اس کا اتباع معراج انسانیت پر پہنچنے کا زینہ اور اس کے مقام کا صحیح ادراک اصل ایمان ہے، یہ نقطہ فلسفیانہ موشگافیوں سے بالاتر اور عرفان و آگاہی کی حدود میں داخل ہے، اسے صرف تشبیہ اور استعارے کی مدد سے بیان کیا جاسکتا ہے ، اور تشبیہہ و استعارے کا عجز بھی اہل دانش پر عیاں ہے، بہر حال اسے سمجھنے کے لئے اگر ہر امت کی زندگی کو ایک ندی کے بہاؤ سے مماثل سمجھا جائے تو آسانی ہوگی ،اگر وہ ندی دائمی بہنے والی ہے اور محض برساتی نالہ نہیں ہے تو اس کا سرچشمہ بالعموم اس پانی سے زندگی پاتا ہے جو کوہستان کی چوٹیوں پر پڑی ہوئی برف جو پگھل پگھل کر بہم پہنچاتی ہے جب یہ ندی اپنے منبع سے روانہ ہوتی ہے تو اس کا پانی شفاف اور آلودگیوں سے پاک ہوتا ہے۔اس میں ایک جوش ہوتا ہے جو پتھروں سے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی چھوٹے بڑے سنگریزوں کو جلا کرتی ہوئی بالآخر مسطح علاقے میں پہنچ جاتی ہے اور پھر اس کی رفتار میں سکون پیدا ہوتا ہے۔وہ اپنے دامن کو دوسری ندیوں اور نالوں کے لئے فراخ رکھتی ہے اور وہ آکر اس میں ملتے ہیں اور اس کی قوت کو بڑھاتے ہیں۔جب تک یہ نالے صاف پانی لاتے ہیں ندی کا پانی مکدر نہیں ہوتا لیکن پھر اس کو ایسے مقامات سے بھی گزرنا پڑتا ہے جہاں اسے بیسیوں خطرات درپیش ہوتے ہیں، مگر وہ خطرے ایسے ہیں جن سے ندی کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔پہلا خطرہ تو یہ ہے کہ وہ کسی ایسے علاقے میں پہنچ جائے جہاں مزید ندی نالوں کی کمک نہ مل سکے اور ریگستان میں خشک ہوتے ہوتے اس کا وجود ہی ختم ہو جائے ،اور دوسرا خطرہ یہ ہے کہ وہ ایسے علاقے سے گزرے جس کی کثافتیں اس کے پانی کی شیرینی اور صفائی کو ختم کردیں یہ خطرے ان ندیوں کو زیادہ پیش آتے ہیں جو کسی نیچے پہاڑ سے نکلتی ہیں، جہاں برف کی مقدار کم ہو اور یہ مقدار اس کی کفیل نہ ہو سکے کہ اسے کثافت و قلت آب کی بلاؤں سے بچاسکے،ندی کا پانی ہی اصل میں اس کی حیات ہے، اب آپ دنیا کی ان امتوں پر نظر ڈالئے جن کی زندگی کا سرچشمہ کم از کم

ابتداء ہدایت الٰہی تھا، کوئی بہہ کر اپنی تنگ مائیگی کے سبب کسی ریگستان میں جا کر معدوم ہو گئی اور کوئی خارجی اثرات کی کثافتوں کی تاب نہ لا سکی، لیکن امت محمدیہ ﷺ کو چونکہ انسانیت و نبوت کی سب سے اونچی چوٹی سے آب حیات کی رسد پہنچتی رہی اس لئے وہ ریگستانوں کو گلزار بناتی ہوئی ان سے آگے نکل گئی اور اس کی تعلیمات کا سرچشمہ چونکہ وحی کے شفاف اور خالص ضابطے سے سیراب ہوا تھا اس لئے اگر ماحول کی کثافت نے اس پر غلبہ پانے کی کوشش بھی کی تو کامیاب نہیں ہوئی۔ غور فرمایئے کہ وہ کونسا دین ہے جس کی تعلیمات کا انحصار ایسی کتاب پر ہے جس میں لوح محفوظ پر ثبت ہونے سے آج تک یعنی ازل سے ابد تک ایسی بلند ترین ہستی کے طفیل ہی پہنچ سکتا ہے ایک نقطے کی تحریف نہ ہوتی ہو، یہ آب حیات ہم تک ایسی بلند ترین ہستی کے طفیل پہنچ سکتا تھا جس درجہ تمام انبیا علیہم السلام میں سب سے بلند ہے یہ مقام تو تمام انبیا کی تعلیمات کے تقابل سے ظاہر ہوتا ہے، دنیاوی فلسفیوں کی کیا مجال ہے کہ اس بلند مقام پر پہنچیں جہاں انبیاؑ مشیت الٰہی کے ماتحت نہ پہنچ سکے۔

فلسفہ تو اپنے لنگ پا کی وجہ سے ایسی الجھنوں میں گرفتار رہا ہے کہ اس سے خود فلسفیوں کی بھی تشفی نہیں ہوتی اور اگر کسی ناقص فلسفے پر کسی معاشرے کی عمارت کھڑی بھی کی گئی تو اسے قائم رکھنے کے لئے بنیادی فلسفے میں روز افزوں تبدیلیوں اور تحریف کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

انسانی سیرت کے تین پہلو ہوتے ہیں جو اس کے ترکیب و تخلیق میں داخل ہیں ایک یہ کہ وہ اس عالم آب و گل میں ایک حیوان ہے جس کی دنیاوی زندگی کا انحصار اس کی مادی ضروریات کی تکمیل پر ہے دوسرا یہ کہ وہ حیوان ناطق ہے، جس کے باعث اس میں فکر و دانش کی صلاحیتیں مضمر ہیں اور جو نو گی تجربے اور تحقیقات کی بنیاد پر وسیع تر ہوتی جاتی ہیں۔ تیسرا یہ کہ یہ پیکر خاکی نور تجلیات کا مورد بھی ہے، اور اس کی روح میں وہ تشنگی ہے جو نہ مادی ضروریات کے پورا ہونے سے بجھتی ہے نہ عقل و دانش کے عروج سے رفع ہوتی ہے، ابتدائے آفرینش سے آج تک اس نے یہ کوشش کی ہے کہ اس مادی ماحول سے ماورا کی کیفیات سے اپنے دامن کو بھر لے، یعنی انسان کی زندگی کو جسمانی، ذہنی، روحانی ضروریات پر مشتمل سمجھنا چاہئے اور ان تینوں کو جدا کرنا ایسا ہی ہے کہ گوشت کو پوست سے یا رگ جان کو جسم سے علیحدہ کر کے زندگی کے جاری رہنے کی امید رکھی جائے، جو عروج انسانی کی دسترس میں اب تک رہا ہے، وہ انہی تین طبقات سے متعلق رہا ہے، کوئی اگر جسمانی قویٰ کی تربیت سے مشہور ہوا تو رستم داستان بنا اور اگر کسی نے ذہنی ترقی کی تو وہ سقراط یا افلاطون یا ابن سینا کی ہمسری کا مدعی ہوا، کسی نے روحانی ترقی کی تو اس نے ریشیوں مینو کے آسن یا کے آسن یا عزلت نشین رہبانیت کے بوریے پر بیٹھ کر نفس کشی کی منزلیں طے کیں اور اپنے جسم کو اپنی دوسری صلاحیتوں کا مرقد بنالیا، لیکن یہ شرف متوسلین محمد ﷺ ہی کو حاصل ہوا کہ نان جویں کھا کر قوت حیدری حاصل کی اور مدرسوں کی زینت بن کر علم و فضل کے چراغ فروزاں کئے، اور راتوں کی عبادت سے روحانیت کی شمعیں روشن کیں اور سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا اور میدان جہاد میں اتر کر اپنی معاصر دنیا میں استبدادی سامراجوں کا استیصال کر کے انسانیت کے چہرے سے مظلومیت کے آنسو دھوئے اور نظام عدل و مساوات قائم کیا، یہ تھی انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے اور انہیں تعمیری مقاصد میں انتہائی کامیابی سے استعمال کرنے کی معراج، جو معراج انسانیت ہے اور یہ معراج تو متوسلین محمد ﷺ کو حاصل ہوئی اس کی مرتبت اور بلندیوں کا کیا ذکر کروں جس پر خدا خود درود بھیجتا ہے اور جس کی بارگاہ میں ملائکہ عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔

بحقِ سید و سردارِ آدمؑ
محمد ﷺ مصطفٰے فخرِ دو عالم

محمود اقبال

إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥

اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر ﷺ پر درود اور سلام بھیجا کرو۔(الاحزاب:56)

رحمتہ اللعالمین حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ابراہیمیؑ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی ابراہیمی عربوں میں سب سے زیادہ معزز قبیلہ قریش تھا۔ خانہ کعبہ کی دیکھ بھال اسی قبیلہ کے ایک خاندان بنو ہاشم کے سپرد تھی۔ ہاشم کے صاحبزادے عبدالمطلب بڑے بارسوخ آدمی تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے حضرت عبداللہ اپنی نیک چلنی اور بہادری کی وجہ سے عرب بھر میں مشہور تھے جب حضرت عبداللہ جوان ہوئے تو ان کی شادی وہب (قبیلہ زہرہ کے سردار وہب بن عبدالمناف) کی پاکباز بیٹی آمنہ خاتون سے ہوئی۔ عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر 20 اپریل 571ء کی صبح رحمتہ اللعالمین حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے چار ماہ قبل عبداللہ بن عبدالمطلب وفات پا گئے۔ اس طرح آپ ﷺ بوقت پیدائش یتیم تھے۔

حق کی تلاش کے لیے آپ ﷺ کی طبیعت بچپن سے تنہائی کی طرف مائل ہونے لگی۔ آپ ﷺ اکثر مکہ سے باہر کوئی تین میل کے فاصلے پر ایک غار میں چلے جاتے جس کا نام غارِ حرا تھا۔ آپ ﷺ غور و فکر میں مصروف رہتے۔ ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں غارِ حرا میں بیٹھے ہوئے عبادت میں مشغول تھے کہ یکا یک ایک نور چمکا اور اللہ تعالیٰ کا مقرب فرشتہ ''جبرئیل'' آپ ﷺ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جبرئیلؑ نے یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلوائے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ٥ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥

''پڑھ اس رب کا نام لے کر جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو جمے ہوئے لہو سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔''(العلق:1 تا 5)

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا۔ جب آپ ﷺ واپس گھر تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا۔ آپ ﷺ نے یہ سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کو سنایا۔ اس پر خدیجہؓ نے کہا۔

''اے میرے چچا کے بیٹے آپ ﷺ کو خوشخبری ہو اور آپ ﷺ ثابت قدم رہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں خدیجہؓ کی جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔''

اس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: ''آپ ﷺ کو فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں میں دیکھتی ہوں۔ آپ ﷺ قریبی رشتہ داروں پر شفقت فرماتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ بیواؤں یتیموں اور بیکسوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہیں کریں گے۔''

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ خود اپنے اطمینانِ قلب کے لیے آنحضرت ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں یہ کافی عمر رسیدہ اور تورات و انجیل کے عالم تھے اور ان لوگوں میں سے تھے۔ جو تورات اور انجیل کی فراہم کردہ معلومات کے نتیجے میں اس نبی (محمد ﷺ) کے منتظر تھے۔ جس کا اشارہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔

حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل کو تمام بات سنائی تو انہوں نے کہا۔ ''پاک ہے، پاک ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ورقہ کی جان ہے۔ اے خدیجہؓ اگر تو نے سچ بتایا ہے تو یہ وہی ناموسِ اکبر آ چکا ہے۔ جو موسیٰؑ پر آیا کرتا تھا۔ اور بے شک وہ اس امت کے نبی ﷺ ہوں گے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ بدستور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے رہے۔ کچھ عرصہ آپ ﷺ پر کوئی

وحی نازل نہ ہوئی۔ اس عرصہ میں آپ ﷺ بہت بے چین رہا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اس حالت میں تھے کہ ایک دن جبریل کا ظہور ہوا۔ اس طرح ہوا کہ وہ آسمان اور زمین کے مابین ایک کرسی پر جلوہ فرما تھے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ گھر آئے اور خدیجہ ؓ سے فرمایا۔ دَثِّرُوْنِی...... دَثِّرُوْنِی...... (مجھے کچھ اڑھا دو)۔ اور آپ ﷺ کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے۔ لیکن اللہ کے اس دین کو پھیلانے کا وقت آ گیا تھا۔ جس کے لیے آپ ﷺ کو منتخب کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں۔

یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o

وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ o وَ ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ o

''اے لحاف میں لپٹے ہوئے شخص! اٹھ پھر لوگوں کو (عذاب الٰہی) سے ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔'' (المدثر: 1 تا 4)

جب رسول اکرم ﷺ نے اعلانیہ اسلام کی تبلیغ شروع کردی تو قریشِ مکہ آپ ﷺ کے مخالف ہوگئے۔ ان میں ابوجہل اور آپ ﷺ کے چچا ابولہب پیش پیش تھے۔ ان کے علاوہ دیگر اہل مکہ نے اوچھے ہتھیاروں مثلاً تضحیک، کھلم کھلا مخالفت، مزاحمت، استہزاء، الزامات، گالی گلوچ، چھوٹے پروپیگنڈے اور مخالفانہ جتھہ بندی سے اشاعتِ اسلام کو روکنے کی کوششیں کیں۔

جب کفارِ مکہ اپنی چالوں میں ناکام ہوئے تو آپ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ دوپہر کے وقت آپ ﷺ کو حکم ملا کہ آج رات مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ فرمانِ ایزدی کی تعمیل میں آپ ﷺ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا کر رات کی تاریکی میں گھر سے نکل آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ نبوت کا تیرہواں سال تھا۔ اس سال سے سنِ ہجری کی ابتداء ہوئی۔

آپ ﷺ 24 ستمبر 622ء (ربیع الاول 1ھ) مدینہ وارد ہوئے جب سے مسلمانوں نے مدینہ میں پناہ لی تھی۔ کفارِ مکہ مسلسل اس کوشش میں تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں کو اس شہر سے نکلوا دیا جائے۔ جب وہ اس میں بھی ناکام ہوئے تو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے مکہ سے نکل پڑے اور بدر کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ جو مدینہ سے 80 میل پر واقع ہے۔ یہ جنگ غزوہ بدر کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس جنگ میں کفارِ مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی جن مین سے چھ سونے لوہے کی زِرہیں پہن رکھیں تھیں۔ ابولہب کے سوا تمام سردارانِ قریش اس لشکر میں شامل تھے۔ عتبہ بن ربیعہ اس لشکر کا سپہ سالار تھا۔ ان کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ 313 جانثار تھے۔ جن میں 74 مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ ان مجاہدین کے پاس کل دو گھوڑے، چھ زِرہیں اور ستر اونٹ تھے۔ 17 رمضان المبارک 2ھ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح دوسری جنگ احد کے مقام پر اور تیسری جنگ غزوہ خندق کے نام سے مشہور ہوئی۔ 10ھ میں حضور ﷺ نے پہلا اور آخری حج کیا اس لیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں جب آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تو نوے ہزار مسلمان آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ عرب ممالک کے مختلف مقامات سے اور لوگ بھی شامل ہوتے گئے۔ چنانچہ حج کرتے وقت تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار کی جمعیت آپ ﷺ کے ہمراہ تھی۔ اس تاریخی موقعہ پر آپ ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر باآواز بلند وہ عظیم الشان خطبہ دیا جسے اسلامی تعلیمات کا نچوڑ کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اے لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ آج کے بعد میں اور آپ ﷺ اس اجتماع میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے۔ اے لوگوں! تمہارا خون تمہارا مال اور تمہارا ننگ ونا موس اسی طرح ایک دوسرے پر حرام ہے جس طرح یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر تم سب کے لیے قابلِ حرمت ہے۔

اے لوگو! آخر تمہیں بارگاہِ ایزدی میں پیش ہونا ہے وہاں تمہارے اعمال کی باز پرس کی جائے گی۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنا شروع کردو۔

اے لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اپنے اللہ سے ڈرتے رہنا تم نے خدا کے نام کی ذمہ داری سے انہیں زوجیت میں قبول کیا اور اللہ کا نام لیکر ان کے جسم اپنے لیے حلال بنائے۔ عورتوں پر تمہارا حق ہے کہ وہ غیر کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں۔ تو تم انہیں ایسی مار مارو جو نمایاں نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر ہے کہ انہیں بافراغت کپڑا پہناؤ اور بافراغت کھانا کھلاؤ۔ اے لوگو! تمہارے غلام ہیں جو خود کھاؤ گے وہی انہیں کھلانا جو خود پہنو گے وہی انہیں پہنانا۔

اے لوگو! آج میں جاہلیت کے تمام قواعد و رسوم کو اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے قاتلوں کے جھگڑے، ملیامیٹ کرتا ہوں۔ اور سب سے پہلے اپنے خاندانی مقتول ربیعہ بن حارث کے خون سے جسے ہدیل نے قتل کیا تھا معاف کرتا ہوں میں

زمانہ جاہلیت کے تمام سودی مطالبات باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے خود اپنے خاندانی سود۔ عباس بن عبدالمطلب کے سود سے دستبردار ہوتا ہوں۔

اے لوگو! اب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حقدار کا حق مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا کسی کو وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بچہ جس کے بستر پر پیدا ہو۔ اسی کو دیا جائے۔ اور زنا کاروں کی سزا پتھر ہیں اور ان کی جوابدہی اللہ پر ہے۔ جو لڑکا باپ کے سوا کسی دوسرے نسب کا دعویٰ کرے اور غلام اپنے مولد کے سوا کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے ان پر خدا کی لعنت ہے۔ عورت شوہر کے بلا اجازت اس کا مال صرف نا کرے قرض ادا کیے جائیں۔ عاریت واپس کی جائے۔ عطیات لوٹائے جائیں اور ضامن تاوان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

اے لوگو! تم سب کا اللہ بھی ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر، کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی پیدائشی برتری یا امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔ ہاں افضل وہی ہے۔ جو پرہیزگاری میں افضل ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔

اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن ہے۔

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ میرے بعد کوئی نئی امت ہے۔ پس تم سب اپنے اللہ کی عبادت کرو نماز پنجگانہ کی پابندی کرو۔ رمضان کے روزے رکھو خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالو۔ اللہ کے گھر کا حج کرو۔ حکام امت کے احکام مانو اور بعد اپنے اللہ کی جنت میں جگہ حاصل کرو۔"

آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایک دن اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے میرے متعلق گواہی طلب کرے گا تم اس وقت کیا جواب دو گے۔"

اس پر تمام مجمع عام سے لوگوں نے پرجوش کہا۔

اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے تمام احکام پہنچا دیے۔

اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرضِ رسالت ادا کر دیا

اے رسول اللہ! آپ ﷺ نے کھرے کھوٹے کو الگ کر دیا۔

اس وقت حضور سرورِ دوعالم ﷺ نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی۔ ایک دفعہ آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے تھے اور دوسری دفعہ مجمع کی طرف اشارہ فرماتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

اے اللہ! خلق خدا کی گواہی سن لے۔

اے اللہ! مخلوق خدا کا اعتراف سن لے۔

اے اللہ! گواہ ہو جا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ میری ہدایات پہنچاتے چلے جائیں ممکن ہے آج کے بعض سامعین سے زیادہ پیامِ تبلیغ کے سننے والے اس کلام کی محافظت کریں۔"

یہ نبی کریم ﷺ کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام بطور ضابطہ حیات پسند کیا۔" (المائدہ:۳)

رحمۃ اللعالمین حضرت محمد ﷺ! اپنا کام خود کرتے۔ ہر چھوٹے بڑے کو پہلے سلام خود کرتے۔ اونچی آواز سے ہرگز نہ بولتے، اکثر خاموش رہتے۔ لیکن جب بولتے تو نہایت عمدہ طریقہ سے کلام کرتے اور دینے کو کچھ بھی پاس نہ ہوتا تو اس سے معذرت کر لیتے۔ کیسی ہی مشکل کیوں نہ آن پڑے صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ بیماروں، بوڑھوں اور عورتوں کے آرام کا ہمیشہ خیال رکھتے۔

غرضیکہ آنحضرت کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بحیثیت ایک رسول اللہ ﷺ کے اپنے پیروکاروں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کیا۔ اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اس لیے ایک صحابی نے جب حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کا خلق کیسا ہے تو آپؓ نے صحابی سے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا پڑھتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "آپ ﷺ کا خلق قرآن ہی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ 8 ماہ صفر 11ھ دن بیمار ہوئے۔ بیماری دن بدن بڑھتی گئی اور علاج کے باوجود کچھ آفاقہ نہ ہوا۔ چودہ دن بیمار رہنے کے بعد 8 جون 632ء بمطابق 12 ربیع الاول 11ھ کے روز صبح کے وقت آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔" (آل عمران:132)

بحق سیّد و سردار آدمؑ...... محمد ﷺ مصطفےٰ فخرِ دوعالم

(انسانوں کے امام و سردار کے وسیلے۔ یعنی فخرِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل)

مصائب و آلام میں اسوۂ حسنہ ﷺ

مراسلہ: فلائنگ لیفٹیننٹ (ر) ثناء اللہ (کراچی)

☆ آج کل کا دور مشکلات و مصائب کا دور ہے، اس وقت معاشی بدحالی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، امن و امان کی صورت حال بھی چنداں اطمینان بخش نہیں، سیاسی حالات دگرگوں ہیں، معاشرتی اقدار شکست و ریخت اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں، بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو پوری امت مسلمہ پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے، من حیث المجموع پوری امت مسلمہ طرح طرح کے مصائب و آلام کی شکار ہے، انفرادی طور پر بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام کا بہت بڑا حصہ مشکلات و مسائل سے نبرد آزما ہے، یہ صورت حال اس حد تک سنگین ہو چکی ہے کہ ایک بہت بڑا طبقۂ آبادی مکمل مایوسی کا شکار ہو گیا ہے، اس کی امید زیست تک ٹوٹ چکی ہے، وہ زندگی سے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی بھلائی اور کامیابی کی صورت نہیں دیکھتا اور بالآخر وہ مجبور ہو کر خودکشی کر لیتا ہے، خودکشی جس کی شرح مسلمانوں میں ہمیشہ نہ ہونے کے برابر رہی، اب مسلمانوں میں بتدریج بڑھ رہی ہے، اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، یہ صورتحال قطعاً اطمینان بخش نہیں بلکہ ایک بہت بڑے خطرے کی گھنٹی ہے۔ جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور قدرت کی طرف سے تنبیہ بھی ہے، تاکہ ہم اپنے حالات و معاملات پر توجہ کریں اور خامیوں پر نظر رکھ کر، برائیوں کا سدباب کرتے ہوئے انہیں درست کرنے کی کوشش کریں۔

جیسا کہ سطور بالا میں تحریر ہوا کہ ہماری موجودہ مشکلات، مصائب، مسائل اور آلام مختلف النوع ہیں، ذیل میں ہم اسوۂ حسنہ اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں ان مصائب و مشکلات کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

معاشی مشکلات

آج کا سب سے اہم مسئلہ معاشی ہے، یوں تو پوری دنیا میں معاشی بدحالی ہے، اور آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ انتہائی غربت کی زندگی گزار رہا ہے، اور متوسط طبقے کا بھی یہ حال ہے کہ انہیں اپنی سفید پوشی قائم رکھنے کے لئے سخت اور جاں گسل محنت کرنی پڑتی ہے اور ان کی روزمرہ زندگی کا اہم ترین حصہ معاشی تگ و دو میں صرف ہو جاتا ہے، یوں وہ اپنی ضروریات تو جیسے تیسے پوری کر رہا ہے، اس نے معیار زندگی کو بھی ایک حد تک برقرار رکھا ہے، لیکن سکون و اطمینان اسے بھی حاصل نہیں، اس کا ایک اہم سبب تو اسباب عیش پر بہت زیادہ انحصار اور انہیں مقصود حیات بنا لینا ہے ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں ہم نے ضروری سمجھ لیا ہے، حالانکہ وہ یا تو قطعاً غیر ضروری ہیں یا پھر ان کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے، پس پر سکون زندگی گزارنے کے لئے آدمی میں قناعت اور سادگی کا ہونا ضروری ہے اور قناعت آدمی میں اس وقت آئے گی جب وہ اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر رکھے گا۔ سادگی یا سادہ زندگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے وسائل کے اندر رہ کر اپنی زندگی گزارنے اور کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس اور برت برتاؤ میں اعتدال پر رہے۔ اپنے تمام امور میں بے جا تکلفات، دکھاوے اور ریا سے کامل اجتناب کرتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے میں میانہ روی اختیار کرنے کا نام سادگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا○

''اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔''

خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے یہاں تک کہ فضول خرچی میں داخل ہو جائے اور تنگی سے خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کیا جائے۔ پس جب آدمی فضول خرچی اور کنجوسی کو ترک کر کے اعتدال کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اپنے وسائل کے مطابق خرچ کرتا ہے اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلاتا ہے تو اس کا طرز زندگی نہایت سادہ اور پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے ''وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اور گزر اوقات کے مطابق اسے رزق مل گیا اور اللہ نے اسے قناعت کی دولت سے نوازہ''۔

قناعت کے باوجود بھی بہت سے مرحلے انسانی زندگی میں ایسے آتے ہیں جب ضروریات

زندگی بھی پوری طرح میسر نہیں ہوتیں، یہ صورت حال خواہ کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو مگر اس اعتبار سے غیر معمولی نہیں کہ اس سے بہت سے لوگ دوچار ہوتے ہیں، اور پھر کامیاب وہی کہلاتے ہیں جو ایسے حالات میں صبر واستقامت کا دامن چھوٹنے نہیں دیتے، آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات نے اس سلسلے میں بھی اپنی امت کے لئے بہترین نمونہ عمل چھوڑا ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی اور فقر وفاقے کی حالت میں نہایت صبر وشکر سے اپنے فرائض منصبی ادا کئے، آپ ﷺ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا، عموماً رات کو سارا گھر بھوکا ہوتا تھا، کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران وفات تک کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ آپ ﷺ کا کبھی جوڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا، کیونکہ دوسرا جوڑا آپ ﷺ کا ہوتا ہی نہیں تھا جو تہہ کر کے رکھا جاتا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، اور نہ اس حالت کی کبھی کسی سے کوئی شکایت کی نہ کسی کو بتایا، آپ ﷺ کو فاقے کرنا غنا سے زیادہ پسند تھا۔

آپ ﷺ کا فقر اختیاری تھا، ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کے مجھے میرے رب نے پیشکش کی کہ (اگر میں چاہوں تو) میرے لئے پورے بطحائے مکہ کو سونے کا بنا دیا جائے، مگر میں نے کہا نہیں، میرے رب! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہوں اور ایک دن بھوکا رہوں، آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی اور فرمایا کہ جب بھوک لگے تو تیرے سامنے روؤں، گڑگڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب سیر ہوں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد کروں۔

ایک مسلمان کے لئے آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اسوہ قابل عمل نہیں ہو سکتا، قرآن حکیم نے اسے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہمیں جہاں ایک جانب اپنی معاشی مشکلات کے حل کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، وہیں صبر ورضا کے ساتھ اس ابتلا کو گزارنا چاہئے، کیونکہ مشکلات کا دور خواہ کسی قدر طویل کیوں نہ ہو، اسے آخر ختم ہونا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا o إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا o

''سوالبتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

عادت اللہ یہی ہے کہ جو شخص مصائب اور سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لو لگائے اور اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے اور کامیابی میں دیر ہونے سے ناامید نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے حق میں آسانی کر دے گا۔ ایک طرح کی نہیں کئی طرح کی حضرت حسن بصریؒ کی مرسل روایت میں ہے کہ رسول ﷺ ایک روز صحابہ کرام کے پاس بہت مسرور اور خوش خوش تشریف لائے، آپ مسکرا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لن يغلب عسر يسرين

''ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔''

معاشرتی مشکلات

آج ہماری معاشرتی اقدار بھی روبہ زوال ہیں اور مسلسل شکست و ریخت سے دوچار ہیں، یہ بات بھی بہت بڑے طبقے میں مایوسی کو جنم دے رہی ہے، حالانکہ داعی کے لئے تو یہ بات مہمیز کا کام دیتی ہے، اور دعوت وامر معروف ونہی منکر کا فریضہ پوری امت پر عائد ہے، ان کے مناصب اور فرائض کے مطابق، ایسے میں اگر آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کریں تو ہمارے لئے اس میں کافی سامان ہدایت موجود ہے، آج ہمارے معاشرے میں لاکھ برائیاں سہی لیکن الحمد للہ ایمانی رمق موجود ہے اور اکثر و بیشتر اس کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں حضور ﷺ نے جس معاشرے میں فریضہ دعوت ادا کیا اس کا کیا حال تھا؟ مختصر کہا جائے تو ہر اخلاقی، اعتقادی، مذہبی، سماجی، معاشی اور معاشرتی برائی کی آماجگاہ تھا۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے وہ مثالی معاشرہ تشکیل دیا جس کی مثالیں صرف مسلمان نہیں غیر مسلم بھی دینے پر مجبور ہیں اور صحیح بھی یہی ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اس سے بہتر مثال تلاش بھی نہیں کی جاسکتی، سو اس اسوۂ حسنہ کی موجودگی میں ہمارے لئے مایوس ہونا یا موجودہ صورت حال سے متاثر ہو کر ہمت ہار بیٹھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ایک ایسے معاشرے میں جہاں شاعر یہ کہتے ہوئے بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا کہ:

وحيانا على بكر اخينا   اذا مالم نجد الا اخانا

اگر کبھی ہمیں قتل وقتال کے لئے کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو ہم اپنے برادر (وحلیف) قبیلے پر ہی حملہ کر دیتے ہیں۔

اور یہ فقط شاعرانہ تخیل اور خیالات کی بلند پروازی ہی نہ تھی، تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جو شاعر کے اس مزاج کے عکاس ہیں، سو ایسے معاشرے کو باہم شیر وشکر کر دینا کوئی معمولی کام نہیں لہٰذا آپ ﷺ کی امت میں سے ہونے کا شرف پانے والے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ ان اوصاف حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جو آپ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ اور نامساعد حالات سے نہ گھبرانا، مشکل حالات میں بھی امید کی لو روشن رکھنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے آخرت کی تیاری کرنا بھی انہی تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں سے ہے۔

سیاسی مشکلات

امور ریاست اور معاملات سیاست بھی اس وقت معاشرے میں مایوس وذہنی تناؤ کا اہم سبب

ہیں، عرصے سے یہ صورت حال ہے کہ سیاسی عدم استحکام نے انتظامی معاملات بھی درہم برہم کر دیئے ہیں، جس کی بنا پر عوامی مسائل مزید پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں، یہ دیکھ کر ایک بہت بڑا طبقہ اصلاح احوال کی امیدیں ہی توڑ بیٹھا ہے، جو کوئی مناسب بات نہیں، یہ سب اختلافات آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی تھے اور آپ ﷺ نے بھی ان مشکلات کا سامنا کیا، آپ ﷺ کو جن مشکلات کا سامنا تھا وہ تین قسم کی تھیں۔

۱۔منافقین ۲۔یہود ۳۔مشرکین مکہ

تینوں جانب سے آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں اور شورشیں جاری تھیں، اور آپ ﷺ نے بیک وقت تینوں محاذوں پر مقابلہ کیا اور جہد مسلسل کے ذریعے حالات کا دھارا اپنے حق میں موڑ لیا، ان رکاوٹوں کو خارجی مسائل کہا جا سکتا ہے، داخلی محاذوں پر جو مسائل آپ ﷺ کو درپیش تھے وہ ان کے علاوہ تھے، مثلاً مسلمان ہونے والے قبائل کے آپس کے اختلافات پشت ہا پشت سے چلے آرہے تھے، انہیں ختم کرنا آسان کام نہ تھا، اور درحقیقت یہ اہم کام وہی ذات کر سکتی تھی جسے نبوت و رسالت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی براہ راست مدد و تائید حاصل ہو، اس اختلاف کی سنگینی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد باری ہے

''کہ ان مومنوں کے دلوں کو آپس میں الفت سے جوڑنا اللہ ہی کا کام ہے اور اگر آپ اپنے طور پر کام کرنا چاہتے تو زمین کے تمام خزانے صرف کر کے بھی یہ عظیم مقصد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔''

آپ ﷺ کی یہ جدوجہد بھی ہمارے لئے مثالی نمونہ عمل ہے، ان حالات کو سامنے رکھیں جن کا آپ ﷺ نے مقابلہ کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ مایوسی ہم سے رخصت نہ ہو جائے اور ہم مشکلات کو عارضی جانتے ہوئے زیادہ جواں مردی اور ہمت، صبر و استقلال سے اپنے فرائض انجام نہ دینے لگیں۔

تبلیغ دین میں مشکلات

آنحضرت ﷺ کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا آغاز آپ ﷺ کی جانب سے دعوت دین و تبلیغ کو شروع کئے جانے سے ہوا۔ آپ ﷺ کو جو تکالیف پہنچائی گئیں ان سے کتب حدیث و سیرت پر ہیں، لیکن ان مصائب و مشکلات کا اندازہ آپ ﷺ کے اس قول مبارک سے ہوتا ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ کی راہ میں مجھے جس قدر اذیت دی گئی اتنی کسی کو نہیں دی گئی اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا گیا کہ کسی کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔''

صرف آپ ﷺ کو ہی اذیتیں نہیں پہنچائی گئیں بلکہ آپ کے قبیلے تک کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا گیا اور ہر طرح سے باہر کی دنیا سے ان کا تعلق منقطع کیا گیا۔ مجبور ہو کر مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو پہلے تو ان کا پیچھا کیا گیا اور جب انہیں روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو نجاشی تک شکایات لے کر پہنچے اور اس سے مسلمانوں کو اپنے ملک سے بے دخل کرنے کی درخواست کی جو اس نے رد کر دی۔ پھر جب ہجرت مدینہ کا حکم آیا اور آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو بھی آپ کے لئے تبلیغ دین کے لئے میدان ہموار نہ تھا، ایک طرف مشرکین مکہ نے پے در پے متعدد جنگیں مسلط کیں، دوسری جانب یہودیوں اور منافقین نے ان سے ساز باز کر کے انہیں مدینہ منورہ پر حملے کرنے پر اکسایا چنانچہ غزوۂ خندق اسی وجہ سے پیش آیا۔ اور بنی قریظہ کو معاہدے کی خلاف ورزی پر اکسانے میں بھی یہود ہی کا ہاتھ تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ مسلسل ان مسائل و مشکلات سے نبرد آزما رہے مگر آپ کی توجہ ہر وقت تبلیغ دین پر رہی، یہاں تک کہ تھوڑی سی مہلت پاتے ہی آپ ﷺ نے سلاطین و حکمرانوں کو دعوت اسلام کے خطوط روانہ کئے۔ انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، اسی طرح مشرکین مکہ سمیت متعدد قبائل و آزاد ریاستوں سے معاہدے کئے تا کہ دعوت اسلام کی راہ میں کوئی رکاوٹ موجود نہ رہے۔

اوپر بیان ہونے والے واقعات آنحضرت ﷺ کے ۲۳ سالہ دور نبوت میں پیش آنے والی مشکلات اور متنوع مسائل کا مختصر سا خاکہ ہے، اس کے باوجود اس سے ہمیں رہنمائی کے لئے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جن کا خلاصہ یہی ہے کہ حالات خواہ کوئی نہج اختیار کریں، مشکلات کسی نوع کی ہوں، مصائب و آلام کسی بھی سمت سے سامنے آئیں ایک مسلمان ہونے کے ناتے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھتے ہوئے اور اسوۂ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ السلام سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے دنیا میں اپنے بھیجے جانے کے مقصد کی تکمیل کے لئے کوشش جاری رکھنی چاہئے، آج کے حالات میں یہی پیغام سیرت ہے، جس پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ مشکلات و مسائل کی گرداب سے نکال کر سکون، عافیت اور دونوں جہانوں کی سلامتی والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے انقلابی اثرات

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

محسن انسانیت سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پوری انسانیت کے لیے ایک عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے تھے۔ ایسے معلم جن کی تعلیم وتربیت نے صرف تیئس سال کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی بلکہ پوری دنیا کے لیے رشد وہدایت کی وہ ابدی قندیلیں بھی روشن کر دیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل و انصاف، امن وسکون اور عافیت و اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

نبی کریم ﷺ نے تیئس سال کی مختصر سی مدت میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس کی برق رفتاری اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی انگشت بدنداں کر دیا جو آں حضرت ﷺ اور آپ کے مشن کے سخت مخالف رہے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تیئس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن سے بالکل کورے تھے وہ پوری دنیا میں علم وحکمت اور تہذیب وشائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں۔ جہاں ہر طرف قتل وغارت گری کی آگ بھڑک رہی تھی وہاں امن وآشتی کے گلاب کھل اٹھتے ہیں جہاں ظلم وبربریت کا دور دورہ تھا وہاں عدل وانصاف کی شمعیں روشن ہو جاتی ہیں، جہاں پتھر کے بتوں کو سجدے کئے جا رہے تھے، وہاں توحید کا پرچم لہرانے لگتا ہے اور بالآخر عرب ہی کے صحرا نشین جو اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل وخوار تھے ایران و روم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن جاتے ہیں اور ساری دنیا ان کے عدل وانصاف، ان کی رحم دلی اور ان کی شرافت نفس کے گن گانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تعلیم وتربیت کا جو سو فیصد نتیجہ دنیا نے دیکھا ہے، تاریخ انسانیت کے کسی اور معلم کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آنحضرت ﷺ کے انداز تعلیم وتربیت کی تمام خصوصیات کا احاطہ کسی بھی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے، لیکن میں یہاں آپ ﷺ کے انداز تربیت کی صرف دو خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اپنی محدود بصیرت اور مطالعے کی حد تک مجھے سب سے زیادہ بنیادی معلوم ہوتی ہیں۔

ان میں پہلی خصوصیت آپ ﷺ کی شفقت ورحم، دلسوزی وخیر خواہی اور رحم دلی ونرم خوئی ہے۔ چنانچہ قران کریم نے آپ ﷺ کی اس خصوصیت کا ذکر فرما کر اسے آپ ﷺ کی کامیابی کا بہت بڑا سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

''پس یہ اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بناء پر آپ لوگوں کے لیے نرم خو ہو گئے اور اگر آپ درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔''

جس شخص نے بھی سیرت طیبہ کا کچھ مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین نے آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے، آپ کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی اور آپ پر مصائب وآلام کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن آپ کی پوری سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کے دل میں کبھی ایک لمحے کے لیے انتقام کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، آپ ان پر غضب ناک ہونے کے بجائے ان پر ترس کھاتے تھے کہ یہ لوگ کیسی سنگین گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اور ہر وقت آپ کو یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حق بات ان کے دل میں اتر جائے اور یہ ہدایت کے راستے پر آ جائیں۔

آپ ﷺ اس قسم کے معلم نہ تھے کہ محض کوئی کتاب پڑھا کر یا درس دے کر فارغ ہو بیٹھتے ہوں اور یہ سمجھتے ہوں کہ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا اس کے بجائے آپ ﷺ اپنے زیر تربیت افراد کی زندگی کے ایک ایک شعبے میں دخیل تھے، آپ ﷺ ان کے ہر دکھ درد میں شریک اور ہر لمحے ان کی فلاح و بہبود کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے اسی وصف کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

''بلاشبہ تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے، جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے اور جو تمہاری بھلائی کے لیے بے حد حریص ہے اور مسلمانوں پر بے حد مہربان ہے۔''

علامہ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں مسند احمدؒ اور معجم طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آکر عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے......'' ذرا تصور تو کیجئے کہ کیا فرمائش کی جا رہی ہے......؟ ایک ایسے گناہ کو حلال قرار دینے کی فرمائش کی جس کی قباحت و شناعت پر دنیا بھر کے مذاہب وادیان متفق ہیں اور یہ فرمائش کس سے کی جا رہی ہے......؟ اس برگزیدہ ہستی سے، جس کی عصمت وعفت کے آگے فرشتوں کا بھی سر جھک جاتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اس نوجوان کو مار پیٹ کر یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکلوا دیتا، لیکن یہ رحمت اللعالمین ﷺ تھے جن کا کام برائی پر خفگی کا اظہار کر کے پورا نہیں ہو جاتا تھا۔ بلکہ جو اس برائی کے علاج کو بھی اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ کے دل میں اس نوجوان کے خلاف بغض وغضب کے بجائے ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس پر ناراض ہونے کے بجائے اسے پیار کے ساتھ اپنے

پاس بلایا۔ اپنے قریب بٹھایا، اس کے کندھے پر مشفقانہ ہاتھ رکھا اور محبت بھرے لہجے میں فرمایا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ جو عمل تم کسی اجنبی خاتون کے ساتھ کرنا چاہتے ہو اگر کوئی دوسرا شخص تمھاری ماں کے ساتھ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو گوارا کرو گے......؟'' نوجوان کے ذہن و فکر کے بند دریچے ایک ایک کر کے کھلنے لگے، اس نے کہا۔ ''نہیں۔ یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا! پھر دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ بات پسند نہیں کرتے۔ اچھا یہ بتاؤ اگر کوئی شخص تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کیا تم اس کو گوارا کرلو گے۔ نوجوان نے عرض کیا۔ نہیں، یارسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو بات تمہیں اپنی بہن کے لیے گوارا نہیں۔ دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ اسے پسند نہیں کرتے۔'' آنحضرت ﷺ مسلسل اس نوجوان کو مثالیں دے کر سمجھاتے رہے اور آخر میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ ''یا اللہ! اس کے گناہ کو معاف فرما دیجئے اور اس کے قلب کو پاک کر دیجئے اور اس کی شرم گاہ کو عفت عطا فرمائیے۔'' یہاں تک کہ جب وہ مجلس سے اٹھا تو اس گھناؤنے عمل سے ہمیشہ کے لیے تائب ہو چکا تھا۔

آپ ﷺ اس نوجوان پر غیظ و غضب کا اظہار کر کے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کر سکتے تھے، لیکن اس صورت میں آپ کو اس نوجوان کی زندگی تباہ ہوتی نظر آ رہی تھی، یہ آپ کی نرم خوئی، حکمت اور تدبر و تحمل ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ نوجوان ہلاکت کے گڑھے سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا! کاش کہ آج کے مصلحین، اساتذہ اور واعظین سرکار دو عالم ﷺ کی اس سنت پر عمل پیرا ہو سکیں تو آج انہیں اپنے نوجوانوں کے انداز تعلیم و تربیت کی دوسری اہم خصوصیت جسے میں اہمیت کے ساتھ اس وقت ذکر کرنا چاہتا ہوں اور احقر کی نظر میں آپ کے انداز تربیت کی سب سے زیادہ موثر خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ آپ نے اپنے پیروؤں کو جس جس بات کی تعلیم دی، اس کا بذات خود عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ آپ ﷺ کے واعظ و نصائح اور آپ کی تعلیم و تربیت صرف دوسروں کے لیے نہ تھی بلکہ سب سے پہلے اپنی ذات کے لیے تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات میں آپ ﷺ کو رخصت و سہولت عطا فرمائی، لیکن آپ ﷺ نے اس رخصت و سہولت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے تمام مسلمانوں کی صف میں رکھنا پسند فرمایا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز کی تلقین فرمائی۔ تو خود اپنا عالم یہ تھا کہ تہجد کے نوافل میں کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجاتا تھا، حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرما دیں۔ پھر آپ کو اتنی محنت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے، لیکن کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

آپ ﷺ نے دوسروں کو نماز باجماعت کی تعلیم دی تو خود یہ عمل کر کے دکھایا کہ ساری زندگی باجماعت کی جو پابندی فرمائی تو وہ تو اپنی جگہ ہے، مرض وفات میں بھی آپ نے مسجد کی جماعت کو نہیں چھوڑا، بلکہ دو آدمیوں کے کندھے کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔

آپ ﷺ نے دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تو خود آپ ﷺ کا عمل یہ تھا کہ عام مسلمان اگر رمضان کے فرض روزے رکھتے تھے تو آپ ﷺ کا کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ تھا۔ عام مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ صبح کو روزہ رکھ کر شام کو افطار کرلیا کریں لیکن خود آپ کئی کئی روز مسلسل اس طرح روزے رکھتے تھے کہ رات کے وقت میں بھی کوئی غذا آپ ﷺ کے منہ میں نہیں جاتی تھی۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی تو سب سے پہلے خود اپنی عملی زندگی میں اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ عام مسلمانوں کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ فریضے کے طور پر دینے کا حکم تھا اور اس سے زیادہ حسب توفیق خرچ کرنے کی تلقین کی جاتی تھی لیکن خود آنحضرت ﷺ کا یہ عمل تھا وہ اپنی فوری ضرورت کو نہایت سادہ طریقے سے پورا کرنے کے بعد اپنی ساری آمدنی ضرورت مند افراد میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں ''ایک دفعہ آپ ﷺ رنجیدہ گھر میں تشریف لائے میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ ''کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔'' حد یہ ہے کہ مرض وفات کی حالت میں جب بیماری کی تکلیف نے سخت بے چین کیا ہوا تھا، آپ کو یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں۔ فوراً حکم دیتے ہیں کہ ''انہیں خیرات کر دو، کیا محمد اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔''

عام مسلمانوں کے لیے آپ کی تعلیم یہ تھی کہ جوش میں آکر اپنی ساری پونجی خیرات کر دینا مناسب نہیں بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق مال اپنے پاس رکھ کر باقی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، لیکن مسلمانوں کو اس تعلیم کا عادی بنانے کے لیے خود آپ نے اپنے عمل کا یہ نمونہ پیش فرمایا کہ گھر میں کوئی نقدی باقی نہ چھوڑی، تا کہ لوگ اس مثالی طرز عمل کو دیکھ کر کم از کم اس حد تک آسکیں جو اسلام کو عام مسلمانوں سے مطلوب ہے۔ چنانچہ انسانیت کے اس معلم اعظم ﷺ کی اسی عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ ''تم نیکی کا مقام ہر گز اس وقت تک حاصل نہ کرسکو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔'' تو صحابہ کرامؓ نے اس آیت پر عمل کرنے کے لیے مسابقت کا جو غیر معمولی مظاہرہ فرمایا وہ تاریخ انسانیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر تمام صحابہ کرامؓ نے اپنی پسندیدہ ترین اشیاء خیرات کر دیں اور ایسی ایسی محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جنہیں وہ سالہا سال سے حرز جان بنائے ہوئے تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ بحیثیتِ سربراہِ ملت

حکیم محمد سعید مرحوم

سرکار دو عالم فخرِ موجودات سرورِ کونین ختم الرسل حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات پاک ہر مسلمان کے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل ہے۔ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں ہر قدم پر ہر شعبہ زندگی میں سرکا ﷺ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔حضور ﷺ دنیا میں آخری پیغمبر کی حیثیت سے تمام علمی و عملی کمالات کے جامع اور انسان کامل، ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے آپ ﷺ نے امت کو عقائد و عبادات ہی کی ہدایت نہیں فرمائی ، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں وہ حکمت آفرین ہدایات دی ہیں کہ ان پر عمل کر کے دین و دنیا کی نعمتیں حاصل کی جا سکتی ہیں اور اس کے بعد ہمیں رہنمائی کے لیے کسی جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ اگر دنیا اس حکیمانہ نمونہ فکر و عقل کو اپنا لے تو جس اضطراب اور انتشار میں وہ آج پھنسی ہوئی ہے اس میں مبتلا نہ ہو۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ آپ ﷺ جس طرح ایک مشفق باپ اور ایک محبت کرنے والے شوہر ہیں ، اسی طرح امت کے حاکم اور سربراہ ہیں۔جس طرح آپ ﷺ نے مخلوق کو خالق کا بندہ بنانے میں ایک منفرد مثال قائم فرمائی ہے، اسی طرح خدا کے بندوں کو باہم جوڑنے ، ان کے آپس کے معاملات منصفانہ بنیاد پر استوار کرنے اور ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے مستحکم نظام دنیا کو بخشنے میں جو کردار ادا کیا ہے، تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

ایک امیر یا ایک سربراہِ ملت کی حیثیت سے بھی حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے روشنی کا ایک مینار ہے ، بلکہ ساری انسانیت کے لیے ایک آئیڈیل ہے۔حضور ﷺ نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ حدود کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے کا امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے سزا نہیں دیتے تھے۔قسم ہے اللہ کی اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔"

غور فرمایا آپ نے کہ حضور ﷺ نے کس خوبی سے نکتہ بیان فرما دیا کہ جرم اور غلطی ہر حال میں قابل سزا ہیں اور اس معاملے میں کسی امتیاز اور کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔جرم کرنے والا کوئی ہو، کسی طبقے کا فرد ہو، کسی خاندان کا رکن ہو، کیسا ہی با اثر ہو، کیسا ہی دولت مند ہو اگر قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو قانون اور انصاف کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔اس طرح حضور ﷺ نے معاشرے کو انصاف اور عدل اور مساوات کی وہ بنیاد فراہم کر دی کہ جو ایک مستحکم اور پر امن معاشرے کی ضامن ہے۔

تاریخ شاہد ہے اور حال بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں کہ بادشاہ اور مطلق العنان آمر اپنی حکومت و جبروت کا سکہ جمانے اور اپنی ہیبت دلوں پر بٹھانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے سامنے آ کر اچھے اچھے سرغنے کانپنے لگتے ہیں۔اپنا رعب جمانے کے لیے یہ بادشاہ اور حکمران اپنے اردگرد وہ اسباب اور وہ ماحول پیدا کرتے ہیں کہ جن سے دیکھنے والا لرزہ بر اندام ہو جائے ،لیکن ہمارے سرکار ﷺ ان تمام ظاہری لوازم اور اسباب سے بے نیاز تھے۔سارے عرب کی حکومت آپ ﷺ کے قدموں میں تھی ،لیکن پھٹا بوریا آپ ﷺ کا "اسباب راحت تھا۔"عظیم المرتبت حکمراں اور بادشاہ آپ ﷺ کی ملت کے زیر نگیں تھے۔ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپ ﷺ کے رعب سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔آپ ﷺ اس کیفیت سے خوش ہونا تو کجا الٹا اسے دلاسا دیتے ہیں اور اس کے دل سے ہیبت دور کرنے کے لیے جو کچھ فرماتے ہیں وہ انسانی عظمت کا عدیم النظیر چارٹر ہے اور حریت پسندوں اور مساوات کے بڑے بڑے دعوے داروں کے لیے سبق آموز۔آپ ﷺ فرماتے ہیں، "ڈرو نہیں، میں قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔" آپ ﷺ نے ان چند لفظوں میں وہ معیار شرف و مجد بیان کر دیا جو تاریخ انسانی کا کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ اور کسی قوم کا بڑے سے بڑا سربراہ نہ کر سکا۔انسانی عظمت کردار میں پوشیدہ ہے ، اخلاق میں مضمر ہے ،علم پر منحصر ہے ، خدمت میں خفیہ ہے ،عہدہ اور دولت عز و شرف کا معیار نہیں ہے۔

ایک سربراہ کے لیے دلنوازِ سخن ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے محبت سے کام لے، ان کو کمتر نہ سمجھے اور ان کی عزت بڑھائے۔حضور ﷺ اپنے معمولی سے معمولی ماتحتوں کے ساتھ برابر سے کام کرتے ،ایک بار حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے اور سفر کے دوران ساتھیوں کو بکری بھوننے کا حکم دیا۔ایک صاحب نے کہا یا رسول ﷺ میں اس کو ذبح کروں گا۔دوسرے نے کہا کہ میں اس کا گوشت تیار کروں گا۔تیسرے صاحب نے اس کو پکانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

سربراہ امت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''اور جنگل سے لکڑیاں میں لاؤں گا۔''

اصحاب رسول ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم جو حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ٹھیک ہے، مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ میں امتیاز کے ساتھ الگ بیٹھا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتا ہے کہ کوئی شخص اپنے رفیقوں میں ممتاز بننے کی کوشش کرے۔''

سردارِ ملت کی ایک ضروری خصوصیت ان کی دل سوزی اور ہمدردی بھی ہے۔ حضور ﷺ اس خلوص میں بھی بے مثال تھے لوگوں کے دکھ درد کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ کے عذاب سے بچنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ لوگوں کی ضرورت کے وقت ان کے کام آنے کو بتایا ہے

مشورہ ایک سربراہِ ملت کے لیے مفید ہی نہیں لازمی ہے۔ حضور ﷺ نے نہ صرف مشورے کا حکم دیا ہے، بلکہ اس پر عمل بھی فرماتے تھے، خصوصاً اجتماعی معاملات مشورے کے بغیر کبھی طے نہ فرماتے۔

خطیب بغدادی حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے متعلق نہ قرآن حکیم میں کچھ اترا ہو اور نہ آپ ﷺ سے کوئی بات سنی گئی ہو تو ہم کیا کریں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے عبادت گزار اور اطاعت شعار لوگوں کو جمع کرو اور اس معاملے کو مشورے کے لیے سامنے رکھ دو اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔''

خود حضور ﷺ کا عمل بھی یہی تھا کہ ''شاورھم فی الامر'' (آل عمران 159) کی پوری طرح تعمیل فرماتے اور صحابہ کرامؓ کے مشورے سے امور ملت وحکومت فرماتے۔

حضور ﷺ اس امر کا بھی لحاظ فرماتے تھے کہ جن لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات اور انتظام کی باگ ڈور سونپی جائے وہ اپنے اخلاق اور اہلیت کے علاوہ عوام الناس کے اعتماد کے بھی اہل ہوں اور لوگ ان کو پسند کرتے ہوں، دوسرے الفاظ میں عوامی مقبولیت بھی پیش نظر رہتی تھی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ تمہارے بہترین امام اور قائدوہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہوں۔ تم ان کو دعائیں دیتے ہو اور وہ تم کو دعائیں دیتے ہوں اور تم میں بدترین رہنما وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور وہ تم کو ناپسند کرتے ہوں اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہوں۔

غرض مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ تدبیر، مشاورت، عدل، دل نوازی، دل سوزی، سادگی،

> **ایک امیر یا ایک سربراہِ ملت کی حیثیت سے بھی حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے روشنی کا ایک مینار ہے، بلکہ ساری انسانیت کے لیے ایک آئیڈیل ہے**

خدمت، ہمدردی، اور ہردلعزیزی کے وہ اصول اور پیمانے حضور ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ہمیں عطا کئے ہیں جو سربراہان ملت وحکومت کے لئے رہتی دنیا تک سرچشمہ ہدایت رہیں گے۔

حُسنِ سلوک

انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کے اعمال ہیں۔ اعمال ہی اس کی بلندی وپستی اس کی ترقی وتنزل، اس کی مقبولیت ونامقبولیت کا دارومدار ہے۔ اعمال ہی انسان کو بامِ عروج پر لے جاتے ہیں اور اعمال ہی اس کو ذلت وتباہی کے گڑھے میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہی حال اجتماعی زندگی کا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد کی اکثریت حسن عمل کی خُوگر ہوگی تو وہ قوم ترقی و عروج کی بلندیوں کو چھولے گی اور جس قوم کے افراد حسن عمل سے محروم ہوں گے وہ قوم ترقی کے بجائے تنزل کی طرف جائے گی۔ یہ وہ بات ہے جس کو علوم عمرانی کے ماہر بھی تسلیم کرتے ہیں اور جس کی گواہی میں تاریخ کے اوراق بھی صف باندھے کھڑے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل کوئی دستور حیات، کوئی ضابطہ عمل اور نظام اخلاق آج تک پیش نہیں کیا جاسکا اور مسلمان کی حیثیت سے ہمیں یقین ہے، ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی پیش نہیں کیا جاسکے گا۔ اسلامی نظام عمل میں جہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق مکمل ومفصل ہدایات موجود ہیں اور ایک نمونہ کامل محفوظ ہے وہیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی گوشوں کو بھی ہدایات کی روشنی سے منور کردیا گیا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی کو خوش گوار اور کامیاب بنانے کے لئے بڑی کارآمد اور کارگر ہیں۔ ہادی برحق ﷺ کا فرمان ہے کہ ''مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ (مسلم وترمذی)

اخلاق کا تعلق پوری زندگی اور زندگی کی تمام سرگرمیوں سے ہے، لیکن ہم اس وقت اخلاق کے صرف اس پہلو کو پیش کر رہے ہیں جس کو عرف عام میں خوش اخلاقی یا خوش خلقی کہتے ہیں اور اس کا تعلق دوسروں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ سے ہوتا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔ ''ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے احسان فرض کیا ہے، قتل بھی کرو تو حسن کے ساتھ، ذبح بھی کرو تو حسن کے ساتھ۔'' یعنی اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ آدمی جب کوئی کام کرے تو خوش اسلوبی سے کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس گزرے جو بکری کو گرا کر اس کے چہرے پر اپنا پیر رکھے ہوئے چھری کو تیز کر رہا تھا اور بکری اس کے اس عمل کو دیکھ رہی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ بکری ذبح کرنے سے پہلے نہ مرجائے گی؟ کیا تم اس کو دوہری موت دینا چاہتے ہو؟''

یہ حضور ﷺ کی تلقین تھی حسن سلوک کے لیے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسن سلوک کی اہمیت زندگی میں کس قدر ہے اور حضور ﷺ نے جو طرز زندگی اپنی امت کو سکھایا ہے اس میں اچھے برتاؤ اور خوش خلقی کو کتنا اہم مقام حاصل ہے۔

حسن سلوک ایسی چیز ہے جس کا اظہار ہر وقت، ہر موقع پر، ہر شخص سے ہوسکتا ہے۔ روزانہ صبح سے شام تک سینکڑوں آدمیوں سے آپ کا واسطہ پڑتا ہے، کسی سے سرسری ملاقات ہوتی ہے اور کسی سے تفصیلی گفتگو اور تبادلہ خیال ہوتا ہے اور کسی سے صرف سلام دعا ہی تک بات پہنچتی ہے، لیکن ان سب میں آپ کا طرز عمل اور برتاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ اچھا برتاؤ ہوگا تو وہ بھی نمایاں ہوگا اور اپنے اثرات چھوڑے گا، بُرا سلوک ہوگا تو اس کا اظہار بھی ہو کر رہے گا اور اس کے نتائج بھی نمایاں ہوں گے۔ چلتے چلتے محض سلام کرنے اور مزاج پوچھنے کے انداز ہی سے مخاطب کے ساتھ آپ کے رویے اور سلوک کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مسکراتا ہوا چہرہ حسن اخلاق کا بہترین مظہر ہے۔ کسی کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر بشاشت کا آجانا اس پر آپ کی توجہ اور اس سے آپ کے تعلق خاطر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور یہ حسن سلوک ہے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ ان کے ملنے سے آپ کو خوشی ہوئی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اپنے بھائی کے لیے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔'' بتایئے انسانیت کا اس سے زیادہ پاس کس کو ہوگا اور انسانی نفسیات کا لحاظ اس سے زیادہ کس مصلح، کس رہنما نے رکھا ہوگا۔ باہم اخوت ومحبت اور یگانگت کے ایسے نکتے آپ کو کہاں ملیں گے۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور اکثر دوررس نتائج پیدا کرتی ہیں۔ تعلقات بنانے اور بگاڑنے، رشتوں کو توڑنے اور جوڑنے میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا بڑا دخل ہوتا ہے، بلکہ اکثر اہم باتوں کے مقابلے میں چھوٹی باتیں ہی انسانی تعلقات پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ حسن سلوک انسان کو وہ طاقت اور وہ کشش عطا کرتا ہے۔ جس سے وہ دلوں کو مسخر کرلیتا ہے اور انسان کی سچی

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل کوئی دستور حیات، کوئی ضابطہ عمل اور نظام اخلاق آج تک پیش نہیں کیا جاسکا

خدمت انجام دیتا ہے۔ ایک میٹھا بول بعض وقت مایوس و دل شکستہ انسان کو ولولہ تازہ عطا کرتا ہے۔ ہمت افزائی کا ایک جملہ حوصلوں کو بلند اور عزائم کو جوان کردیتا ہے۔ یہ سب حسن سلوک کے کرشمے ہیں بڑے سے بڑا آدمی اگر اس نعمت سے محروم ہے تو سمجھئے کہ وہ انسانیت کے حقیقی جوہر سے محروم ہے اور سچی خوشی اس کے پاس کبھی نہیں پھٹکے گی۔

انسان جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا طرز عمل اور برتاؤ شائستہ اور شریفانہ ہوگا۔ بڑائی کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ حسن سلوک کی دولت سے مالا مال ہوں انسانی تمدن کی یہ خصوصیت ہے کہ بڑے اور چھوٹے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ بڑوں کو چھوٹوں کا تعاون درکار ہے اور چھوٹوں کو بڑوں کی مدد مطلوب ہوتی ہے۔ تمدن کی گاڑی دونوں پہیوں سے چلتی ہے اس طرح انسان کو اپنے معاشرے کے مختلف افراد سے ملنا جلنا اور ان کے درمیان رہنا پڑتا ہے۔ پڑوسی کی مثال لیجئے۔ آپ کتنے ہی امیر ہوں اور آپ کا پڑوسی کتنا ہی غریب اور بے سہارا ہو، بہرحال وہ آپ کے قریب ہے، آپ کو اس کی خوشی اور اس کو آپ کی تکلیف کا سب سے پہلے علم ہوگا اور آپ ایک دوسرے کے رنج وراحت میں سب سے پہلے شریک ہوسکتے ہیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ اچھے پڑوسی نہیں ہیں اور اچھے پڑوسی نہیں تو اچھے انسان بھی نہیں ہوسکتے۔ آپ کے حسن سلوک کا سب سے پہلا مستحق آپ کا پڑوسی ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے اس نکتے کو کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔

''اگر تیرے ہمسائے تجھے اچھا کہتے ہیں تو تُو واقعی اچھا ہے۔ اگر تیرے بارے میں تیرے ہمسائے کی رائے خراب ہے تو تُو ایک بُرا آدمی ہے۔'' (بخاری)

اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کا ہر کام اس طرح ہو کہ اس سے معلوم ہو کہ یہ مومن کا کام ہے اور مومن وغیر مومن کا فرق ظاہر ہو۔ حتیٰ کہ اگر ایک مومن کسی کے گھر پر جاکر دروازہ کھٹکھٹائے تو اس عمل سے بھی اندازہ ہوجائے کہ یہ ایک ایسا فرد ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اپنے ہر عمل میں اس کے احکام کا خیال رکھتا ہے۔ ایک مومن کا ہر عمل اس کے ایمان کا مظہر اور عکس ہوتا ہے اور ایک کافر کا عمل اس کے کفر کا آئینہ۔ دین کا فرق اور طرز زندگی کا فرق انسانوں کے کردار، برتاؤ اور اخلاق میں منعکس ہوتا ہے۔ حسینیت اور یزیدیت زندگی کے ہر شعبے میں اپنا اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ مومن کا ہر عمل اس کے ایمان کی شہادت دیتا ہے طرز حیات اور طریق عمل سے انسانوں اور انسانوں کے درمیان ایک واضح خط امتیاز کھنچ جاتا ہے۔

ختم نبوت ﷺ

ائیر وائس مارشل (ر) سکندر بخت

☆ سرکار دوعالم ﷺ کی نبوت کا امتیازی وصف اور اعزاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا گیا۔ آپ ﷺ سیّد الانبیاء اور سرتاج الانبیاء ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نور نبوت میں سب نبیوں کے محسن اور مربیؐ ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی بنوت کے مطلع انوار سے ان تمام نبیوں کی نبوتیں روشن ہوئیں۔ آقائے نامدار ﷺ کے صدقے انہیں نبوتیں عطا ہوئیں۔ آپ ﷺ کے طفیل انہیں کتاب وحکمت اور وحی کے خزانے ملے۔ حضور ﷺ کی سیرت پاک سے پتہ چلتا ہے کہ نور نبوت حضور اقدس ﷺ سے چلا اور آپ ﷺ پر ہی ختم ہوگیا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ خاتم کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کے وصف خاص کی ابتداء ہوتی اور اسی پر انتہا بھی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ رحمت دوعالم ﷺ وصف نبوت کے لحاظ سے صرف نبی نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں۔

اپنی فضیلت اور اہمیت کے اعتبار سے ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی ایسی مستحکم بنیاد ہے۔ جس پر دین کی عمارت استوار ہے۔ ظہور اسلام سے لے کر اب تک اہل اسلام کا فیصلہ ہے۔ کہ سرور کائنات ﷺ کے بعد قیامت تک کس نوع کا کوئی نیا نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کا لایا ہوا پیغام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی وحی آخری وحی ہے۔ آپ ﷺ پر اترنے والی کتاب رشد وہدایت کی آخری کتاب ہے اور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنوت ورسالت اور شریعت بھی آخری ہے۔ ع

بر رسول ماشریعت ختم کرد

مسئلہ ختم نبوت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے ہادیٔ برحق ﷺ کی ہمہ گیر اور عالمگیر نبوت کو سمجھا جائے دنیا میں جتنے انبیاء آئے ان کی نبوتیں، رسالتیں، شریعتیں، احکامات، تعلیمات اور پیغامات محدود تھے اوران کا زمانہ بھی محدود تھا۔ کوئی فقط اپنی قوم کا نبی تھا تو کسی کی نبوت کا دائرہ مخصوص علاقے یا خطے تک تھا۔ گویا ہر نبی کی دعوت قومی یا مقامی ہوتی تھی۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ

كان النبى يبعث الى قومه خاصة بعثت الى الناس كافة

''ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں سارے انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت عالمگیر اور دعوت ہمہ گیر تھی جسے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں تک پہنچنا تھا۔ آقائے برحق ﷺ کی نبوت کا فیض پندرہ سو برس سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی نبوت ورسالت اور دعوت نے کل عالم کے انسانوں کو اپنی آغوش ہدایت اور سایہ رحمت میں لے رکھا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی عالمگیری ختم نبوت کی واضح دلیل ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کی منفرد نبوت تمام زبان ومکان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید گواہی دیتا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

''اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کی حکومت سب آسمانوں اور زمین میں قائم ہے۔ اس کے سوا اور کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ وہ زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ سو لوگو! اللہ پر ایمان لاؤ اس کے نبی اُمّی پر بھی ایمان لاؤ۔'' (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نسل بنی آدم کو خطاب کر رہے ہیں۔ اس میں نہ کالے گورے کا امتیاز ہے نہ زرد اور گندمی رنگ والے کا۔ نہ عربی وعجمی کا، نہ خطہ وعلاقہ کی تمیز ہے، نہ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کا فرق ہے، نہ ذات برادری اور شکل وعقل کی بحث ہے فقط لفظ ''الناس'' بولا گیا ہے جس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کے گوشت پوست میں روح ڈالی گئی ہے، اس میں وہ انسان بھی شامل ہیں جو دنیا میں آنے والے ہیں۔ لفظ جمیعاً انسانوں کی اجتماعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ جمیعاً کئی جگہ انہی معنی میں آیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جہاں جہاں نسل انسانی کے نشان ہوں گے وہاں وہاں سرکار محمد مصطفےٰ ﷺ نبی آخر الزماں ہوں گے۔ جمیعا کا لفظ حضور اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی سرداری، سربلندی، بالاتری جامعیت، مقبولیت اور وسعت کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس آیت میں جمیعاً کے بعد مالک کائنات اپنی

کبریائی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں ہی وہ اللہ ہوں جس کی حکومت سب آسمانوں اور زمین میں قائم ہے۔ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ جہاں اپنی قدرت و کبریائی کا اظہار کر رہا ہے وہاں اپنے محبوب ﷺ کی عظمت و شان بھی بیان کر رہا ہے۔ پوری آیت پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کا ذکر پہلے اور اپنا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اپنے بعد پھر اپنے محبوب ﷺ کا ذکر کر کے اس کی نبوت کے فضائل و محاسن بیان کئے۔ معلوم ہوا کہ رب العزت اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی جامع اور عالمگیر نبوت کا ذکر کر کے آپ ﷺ کی عظمت اور شان کو اجاگر کر رہا ہے۔ اسی اظہار محبت اور الفت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمانا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، کسی خاص نکتے کی غمازی کرتا ہے۔ دیکھئے آیت میں پہلے ذکر رسالت کا، پھر ذکر توحید کا اور پھر ذکر رسالت۔ کوئی ایسی اہم بات ضرور ہے جو اللہ تعالیٰ کہنا چاہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ زمین و آسمان اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ وہی ان کا خالق و مالک ہے۔ آخر یہ زمین اور آسمان یہ کائنات کس کے لئے بنائی گئی۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

ایک روایت سے حقیقت منکشف ہوتی ہے فرمایا:

لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

"اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان پیدا نہ کرتا (صف:٦)

رب العزت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ کملی والے یہ زمین یہ کائنات، یہ سارے آسمان میں نے تیرے لئے بنائے ہیں۔ یہ میری قدرت کا شاہکار ہیں۔ ان میں حکومت اور حکمرانی بھی میری ہے۔ لہٰذا زمین و آسمان کی وسعتوں میں جہاں جہاں میری حکومت ہو گی وہاں وہاں میرے محبوب ﷺ کی نبوت ہو گی۔

اب بات واضح ہو گئی ہے کہ سب کے لئے اور سب کا نبی' صرف عرب کا نبی نہیں ہو سکتا۔ عجم کا نبی نہیں ہو سکتا۔ مشرق و مغرب کا نبی نہیں ہو سکتا، شمال و جنوب کا نبی نہیں ہو سکتا، مخصوص قوم کا نبی نہیں ہو سکتا۔ مخصوص خطے یا علاقے کا نبی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ "سب کا نبی" وہی ہو سکتا ہے، جس کی ہمہ گیر نبوت اور عالمگیر رسالت، زمین و آسمان تک پھیلی ہوئی ہو۔ یہ انفرادیت صرف تاجدار ختم الرسل ﷺ کو حاصل ہے۔ کہ آپ ﷺ صرف زمین ہی کے نہیں آسمانوں کے نبی بھی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی منفرد اور ہمہ گیر نبوت بتاتی ہے کہ آپ ﷺ کل انسانوں کے نبی ہیں، کل جنات کے نبی ہیں، کل فرشتوں کے نبی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کل نبیوں کے نبی ہیں۔ اس تفصیل کے بعد ہمارا ایمان ہونا چاہئے کہ حضور اکرم ﷺ صرف اپنے زمانے کے نہیں بلکہ تمام زمانوں کے نبی ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا رسول من ادرکہ حیا دمن یولد بعدی

"میں ان لوگوں کے لئے بھی نبی ہوں جن کو اپنی زندگی میں پاؤں اور ان کے لئے بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے"

قرآن مجید میں بے شمار جگہوں پر سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت کی عالمگیریت بیان ہوئی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ

"ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ

"ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ دوسری آیت مبارکہ میں وضاحت ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، معلوم یہ ہوا کہ آقائے نامدار سرتاج انبیا ﷺ ان جہانوں کے بھی نبی ہیں جہاں انسان نہیں بستے۔ جناب رسالتمآب ﷺ ان جہانوں کے بھی نبی ہیں جو ہمیں معلوم نہیں اور ان جہانوں کے بھی نبی ہیں جو ابھی دریافت نہیں ہوئے۔

جس طرح سرور کائنات ﷺ کی نبوت عالمگیر اور تمام جہانوں کیلئے ہے اس طرح آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قران مجید بھی تمام جہانوں کے لئے ہے۔ اس کتاب کی عالمگیریت بزبان قرآن دیکھئے۔

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

"بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب (قرآن مجید) کو نازل کیا۔ تاکہ وہ تمام اہل عالم کو ڈرانے والا ہو۔"

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ

"یہ قرآن مجید تو تمام اقوام عالم کے لئے ایک نصیحت ہے۔"

وَمَا ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ

"وہ قرآن مجید تو تمام اقوام عالم کے لئے ایک نصیحت ہے۔"

مندرجہ بالا تین آیت میں قرآن مجید کو تمام جہانوں کی کتاب قرار دیا گیا۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید ایسی جامع، اکمل اور اعلیٰ کتاب ہے جو تمام اقوام عالم کے لئے ایک دستور العمل ہے اور نسل بنی آدم کی رشد و

ہدایت اور اس کی فلاح ونجات کا آفاقی خزانہ ہے۔

قرآن مجید ایسی ہمہ گیر کتاب ہے جس میں نظام حیات بھی ہے اور ضابطہ حیات بھی۔ چونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل ہوئی اس لحاظ سے یہ آخری کتاب ہے اور اس کے بعد کسی اور کتاب کے نزول کا امکان قطعاً باقی نہیں۔ اپنی اہمیت اور فضیلت کے اعتبار سے یہ کتاب نہایت قیمتی ہے۔ ہمیشہ قیمتی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس قیمتی کتاب (قرآن مجید) کی حفاظت کا ذمہ سب سے بڑے محافظ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

''ہم نے یہ کتاب اتاری اب ہم خود اس کی حفاظت کریں گے۔'' (سورۃ حج آیت:۹)

قرآن مجید کی تعلیم اور پیغام تمام عالم کیلئے انسانوں کے لئے ہے تو پھر بلاشبہ جن پر قرآن اترا۔ ان کی نبوت ورسالت بھی تمام عالم اور تمام عالم کے لوگوں کے لئے ہوگی۔ قرآن مجید عالمگیر کتاب ہے۔ اس کی دعوت تمام جہانوں کیلئے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت بھی تمام جہانوں کے لئے ہے۔

اب ایک اور انداز دیکھئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ط (سورۃ احزاب آیت ۴۶)

اس آیت کریمہ میں تاجدار ختم الرسل ﷺ کی پانچ صفات اور پانچ منصب بیان ہوئے ہیں،

شاھدا: شہادت دینے والا۔

مبشرا: بشارت دینے والا۔

نذیرا: ڈرانے والا

داعیا: دعوت دینے والا

سراجا منیرا: روشن آفتاب

اس آیت میں حضور اکرم ﷺ کی عالمگیر عظمت ورفعت بیان کی گئی ہے۔ آسمان ستاروں، سیاروں، چاند اور سورج سے مزین ہے، لیکن ان تمام میں سورج کو جو کمال حاصل ہے، وہ کسی کو نصیب نہیں۔ سورج کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ نہ صرف خود روشن ہے بلکہ دوسروں کو بھی روشن کرتا ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ بھی اپنی اہمیت وفضیلت اور عالمگیریت کے باعث ہدایت آسمانی کے روشن آفتاب ہیں جو خود بھی روشن ہیں اور جنہوں نے تمام انبیاء کی نبوتوں کو بھی روشن کر رکھا ہے، یہ شاہ کونین ﷺ کا فیض وکرم ہے کہ اب تک رشد وہدایت کی مشعلیں روشن ہیں۔ سورج نہ ہوتا تو سارا عالم تاریک رہتا، اگر حضرت آمنہؓ کے دریتیم ﷺ کی نبوت کا آفتاب طلوع نہ ہوتا تو ساری دنیا کفر وشرک، فسق وفجور، ظلمت وانتشار میں ڈوبی رہتی۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رحمت اللعالمین کو سراجاً منیراً کہہ کر ان کی ہمہ گیر نبوت اور عالمگیر رسالت کو واضح اور سربلند کیا ہے۔ پہلے نبیوں کی نبوتیں محدود تھیں جبکہ تاجدار ختم نبوت ﷺ کی رسالت عالمگیر ہے، جس کا پرچم قیامت تک لہراتا رہے گا۔ لہٰذا کسی بھی قسم کے نئے نبی اور نئی نبوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ❁

دستک

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل احباب کیلئے

عزیز القدر بھائیو اور بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ چراغِ راہ میں رقمطراز ہیں۔ ''میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں۔ وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے۔''

بلاشبہ اللہ کے قرب ولقاء اس کی معرفت وحکمت اور دیدار کے حصول کا آسان اور موثر راستہ آپ ﷺ کا اتباع یعنی اسوۂ حسنہ اختیار کرنا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا○

''تم میں سے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور یوم آخرت کا امیدوار ہو، رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس، اتباع کے لیے ایک بہترین نمونہ ہیں۔ (الاحزاب: ۲۱)

آپ ﷺ بہترین اخلاق پر ہیں اور اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ حضور سرور کائنات ﷺ کے بہترین امتی اور قبلہ انصاریؒ صاحب کے مرید ہونے کے ناطے ہم سب بہن بھائیوں کا اخلاق مثالی ہونا چاہیے۔ قبلہ حضورؒ نے ہمیں غصہ اور نفرت کی نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نہ صرف اخلاق عالیہ کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہیں بلکہ آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق آپ ﷺ کو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا، اخلاق عالیہ کیا ہے؟ اعلیٰ سیرت وکردار اور حقوق کی بخوشی ادائیگی۔ اخلاق عبادت ہے۔ صداقت وامانت، صبر واستقامت، تقویٰ وطہارت، حیا اور سادگی، ایفائے عہد، نرم مزاجی، عدل واحسان، شکر ورحمت اور غریب پروری جیسے اوصاف سے حضور سرکار دو عالم ﷺ کی شخصیت مبارکہ ایسے ہی اعلیٰ اوصاف کا مرقع ہے۔ تو آیئے اتباع رسول ﷺ کے حوالے سے ہم اپنے دلوں پر دستک دیں اور دیکھیں کہ کیا ہم:۔

(1) اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شفقت اور تحمل وبرداشت کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں؟ هاں/نہیں

(2) اپنے عزیز واقارب اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک صلہ رحمی اور احسان کا رویہ رکھے ہیں؟ هاں/نہیں

(3) اپنی زندگی کے ہر شعبے میں سچائی اور ایمانداری کو اپناتے ہیں؟ هاں/نہیں

(4) اپنے وعدوں کی پابندی کی پاسداری کرتے ہیں؟ هاں/نہیں

(5) اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ عفو ودرگذر رحمدلی کا برتاؤ کرتے ہیں؟ هاں/نہیں

(6) احکام الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کے معاملے میں مستقل مزاج صابر اور ثابت قدم ہیں؟ هاں/نہیں

(7) عفت وعصمت، شرم وحیاء، پارسائی اور پاکدامنی کی زندگی گذارتے ہیں؟ هاں/نہیں

(8) دن رات وضو اور طہارت قائم رکھنے کی سعی کرتے ہیں؟ هاں/نہیں

(9) توبہ استغفار اور درود وسلام کو مستقل وظیفہ کے طور پر جاری رکھے ہوئے ہیں؟ هاں/نہیں

(10) عدل واحسان، قناعت اور سخاوت کی راہ پر گامزن ہیں؟ هاں/نہیں

(11) زہد وتقویٰ، میانہ روی اور عاجزی وانکساری کی روش پر ہیں؟ هاں/نہیں

(12) ذکر الٰہی اور تبلیغ دین کا حق پوری طرح ادا کرتے ہیں؟ هاں/نہیں

حلقہ توحیدیہ کے سب بھائیوں اور بہنوں سے درخواست ہے کہ اس سوالنامہ پر غور فرمائیں اور قبلہ حضورؒ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا پختہ عزم کریں تاکہ قیامت کے دن سرخرو اٹھائے جائیں۔ .... مرکزی رسول دائمی

آپ احباب سے مزید درخواست ہے کہ آستانہ عالیہ میں ریکارڈ کی درستی کے لیے ہماری مدد فرمائیں اور مندرجہ ذیل کوائف نامہ پُر کر کے پہلی فرصت میں ارسال فرمائیں:

نام: .... ولدیت: ....

بیعت نمبر/تاریخ بیعت: .... پیشہ: ....

پتہ (موجودہ): ....

پتہ (مستقل): ....

فون نمبر: گھر: .... دفتر: ....

احباب کے نام اور پتہ جات (کم از کم پانچ) جنھیں آپ سلسلہ کی تعلیمات سے آگاہ کرنا پسند فرماتے ہوں۔

نام: .... پتہ: ....


LA Louis Arden
Louis Arden
QUARTZ
Distributors: Jasina Trading Est.
P.O.Box: 15700, Deira, Dubai, U.A.E. Tel: +971 4 2233928
Fax: +9714 2272296 E-mail: jaseena@emirates.net.ae


بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللھم صل علی محمد
و علی ال محمد کما صلیت
علی ابراھیم و علی ال ابراھیم
انک حمید مجید ہ
اللھم بارک علی محمد و علی
ال محمد کما بارکت علی
ابراھیم و علی ال ابراھیم
انک حمید مجید ہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
ھدیہ عقیدت
92.جی ماڈل ٹاؤن لاہور